جون ۱۹۰۶ء

ایڈیٹر شیخ عبد القادر بی۔ اے

مخزن

اُردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

تصویر آنریبل مسٹر جسٹس شاہ دین

تین سال کے بعد۔ عبد القادر ... ۱

اخلاق۔ پنڈت شیو نرائن شمیم وکیل چیف کورٹ (پنجاب) ... ۵

افادات قرآن کریم۔ ایم مہدی حسن (از الہ آباد) ... ۹

نکاح ثانی۔ سید سجاد حیدر بی۔ اے (از بغداد) ... ۴۲

قبورِ دہلی کی سرگذشت۔ خان بہادر منشی ذکاء اللہ صاحب (دہلی) ... ۴۶

طلبائے علیگڈھ کالج کے نام۔ شیخ محمد اقبال ایم۔ اے ... ۵۷

علیگڈھ کالج سے رخصت۔ مسٹر محمد علی صفاہانی بی۔ اے از بڑودہ ... ۵۸

مامتا۔ مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی ... ۶۰

فرقت کی رات۔ منشی احمد حسین خان بی۔ اے ... ۶۱

گھر سے نکل کے دیکھو۔ جناب نسیم ابو العلائی عظیم آبادی ... ۶۲

کلام ثاقب۔ مولوی نجم الدین احمد صاحب ثاقب از بمبئی ... ۶۳

رازِ ہستی۔ منشی محمود حسن بی۔ اے از دہلی ... ۶۶

خوشی کا اظہار۔ خواجہ دل محمد ایم۔ اے از لاہور ... ۶۶

فریادِ بو۔ لالہ اکرام شاد از پٹیالہ ... ۶۷

شاعر کا دل۔ منشی صادق علیخان از سری نگر ... ۶۹

تازہ غزلیں۔ مولانا شبلی۔ حمیم بلند شہری۔ واصف ... ۷۰

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں۔

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ▭ ان شہروں میں اردو مروج ہے ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے۔

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا

مروّت کنندہ مستورات میں میری اپیل

عورتوں میں تمام بیماریوں کی جڑ ایام ماہواری کا بگاڑ ہے۔
افسوس کہ ۱۰۰ میں سے ۸۰ عورتوں میں یہ بیماری پائی جاتی ہے اس لئے
وہ ہمیشہ کسی نہ کسی بیماری میں ضرور مبتلا رہتی ہیں۔ ایام ماہواری (استری
دھرم) کا بےقاعدہ ہونا۔ درد کے ساتھ آنا کم یا زیادہ آنا۔ سفید
رطوبت کا جانا۔ جسمانی کمزوری۔ باؤ گولہ قبض۔ کمی خون۔ سودا۔ مرگی۔ سر
اور کمر کا درد پیلا رنگ ہونا۔ بدہضمی۔ اولاد کا نہ ہونا۔ بشرطیکہ عورت بانجھ
نہ ہو اور عمر چالیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ ان سب بیماریوں کے لئے یہ دوائی
نہایت مجرب ہے۔ عورتوں کے واسطے اس سے بہتر کوئی دوا نہیں۔ **قیمت (عہ)** دو روپے۔

سارٹیفکیٹ } مائی ڈیر مدن گوپال صاحب! آپ کی دوائی مستورات کے ایام معمولی کی بےقاعدگی رفع کرنیوالی میں نے ایک
رشتہ دار مریضہ کے لئے آپ سے منگائی تھی۔ جس کے ایام بےقاعدہ تھے۔ وقت معمولی سے پہلے درد شدید ۲۴ گھنٹہ
تک رہتا تھا۔ اس کے علاوہ مہینہ میں دو تک شدت سے سر درد کا دورہ رہا کرتا تھا۔ خوراک بہت کم ہوگئی تھی۔ اس دوائی کے
بعد خدا کے فضل سے یہ تمام شکایات رفع ہو کر مریضہ بالکل تندرست ہوگئی ہے اور کوئی شکایت باقی نہیں رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ میں ہر شخص سے جو اس مرض میں مبتلا ہو آپ کی تیر بہدف دوائی کی سفارش کرتا ہوں اور آپ کو اس کامیابی کے لئے
دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ — راقم بندہ عبدالعزیز مینجر کارخانہ پیسہ اخبار لاہور۔ ۱۳۔ نومبر سنہ ۱۹۰۶ء

پلیگ کی دوائی

امرت جیون۔ پلیگ سے محفوظ رکھنے والی دوائی (للعہ) چار روپے

اکسیر پلیگ۔ طاعون کی بیماری کا علاج فی بکس (ے۹) چار بکس (للعہ) چار روپے

جو ایسی سریع التاثیر اور مجرب ہے کہ دوائی کے ساتھ **بنک کا چک** دیا جاتا ہے

اگر آرام نہ ہو تو اپنا روپیہ پیپلز بنک لاہور سے واپس منگالو۔

سارٹیفکیٹ } حیرت انگیز ترقی کر رہی ہے دکر پارام ڈسٹرکٹ انجنیر پبلی بھیت) **۲۵۰ آدمی بچ گئے** (لبھا سنگھ کالا گنج سلطانیہ)
میں نے اشتہاری طبیبوں سے صرف آپ کو ہی راست پایا (علم الدین اڈرنگ امرت سر)

(علاوہ ان کے اور بھی بہت سے سارٹیفکیٹ ہیں جو بوجہ عدم گنجائش درج نہیں کئے) **مدن گوپال اینڈ کمپنی لاہور**

آنریبل مسٹر جسٹس میاں محمد شاہ دین بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا

مخزن

تین سال کے بعد

میری غریب الوطنی کا زمانہ ختم ہوا۔ میں نے تین سال بلادِ غرب کی ہوا کھائی۔ دنیا کے اس حصّے کو دیکھا جو آج کل علم و دولت کی کان اور تہذیب و تمدن کی جان سمجھا جاتا ہے۔ وہاں بہت سی باتیں ایسی دیکھیں جن سے یہ ثابت ہوا۔ کہ حضرت انسان خواہ تہذیب ظاہری کے کتنے مدارج طے کیوں نہ کر لیں پھر انسان ہیں اہل غرب میں وہی کمزوریاں موجود ہیں جو اہل شرق میں۔ فطرت انسانی وہی رنگ یورپ میں دکھاتی ہے جو ایشیا کا خاصّہ سمجھا جاتا ہے۔ ایشیا اور یورپ کی اس ہم رنگی کے باوجود بہت سی چیزیں ایسی نظر آئیں۔ جن میں یورپ اس وقت ایشیا سے بعید آگے ہے۔ ان سب کی تفصیل کا جاننا ہمارے ابنائے وطن کے لئے مفید اور ضروری ہے۔ اور جو کچھ اطلاع میں نے بہم پہنچائی ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً ناظرین مخزن کی خدمت میں پیش ہوتی رہے گی۔ میں کچھ نہ کچھ تو اثنائے سفر میں لکھتا رہا ہوں۔ لیکن اب حضر میں جب اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوگا تو معلومات مرتب اور مکمل صورت میں نذر احباب ہوں گے۔ ایک حصّہ سفرناموں

کی صورت میں (جن میں حالات استانبول زیرِ طبع ہیں) اور ایک حصّہ ورقِ
مخزن کے ذریعے۔ اب ان معلومات سے فائدہ اٹھانا یا نہ اُٹھانا اہل ملک کے
اختیار ہے اور مخزن کے حلقہ اثر اور زمرۂ ناظرین کا بڑھانا مخزنیوں کا کام
ہے۔ ہم اپنا فرض ادا کرینگے وہ اپنا فرض ادا کریں۔

ارادہ ہے کہ آئندہ پرچے سے یہ سلسلۂ مضامین شروع ہو اور
اس کے بعد جس قدر جلد ہو سکے "واقعات عالم پر ایک نظر" یا کسی اور عنوان
سے ایک مفید اور دلچسپ ماہوار سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس مرتبہ تو صرف
اپنے دوستوں اور کرمفرماؤں سے دو دو باتیں کر لینے کا موقعہ ہے۔ میں جس
دن سے بمبئی پہنچا ہوں۔ اُس دن سے آج تک احباب کی عنایت ہائے بیحد
نے میرے دن اور دن کے ہر لمحے کو مصروف بنا رکھا ہے۔ اس لیے جون
کا پرچہ دیر سے نکلتا ہے۔ اور جولائی کا بھی شاید کسی قدر دیر سے نکلے گا۔
۷ جون کو مجھے ساحل ہند نظر آیا۔ اس وقت کے جذبات الفاظ میں بیان
نہیں ہو سکتے۔ ہر چیز کی قدر اس سے دور ہو کر یا اسے کھو کر معلوم ہوتی ہے
وطن کی جو قدر غربت میں ہوئی وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ اور اب جس خلوص
سے وطن نے مجھے اپنے دامن شفقت میں لیا ہے۔ اس محبت نے اور مجھے
گرویدہ کر لیا۔ اب اگر پھر کبھی گھر سے نکلنے کی نوبت آئے گی تو دل کو آفت کا
سامنا ہوگا۔ بزرگان قوم و ملک کی طرف سے جو احسانات ہوئے ہیں اور
ہو رہے ہیں۔ اُن کے بوجھ سے دبا جاتا ہوں۔ بمبئی میں جہاز سے اترتے ہی ہمارے
مخدوم قوم جناب نواب محسن الملک بہادر کی ملاقات۔ اور پھولوں کا پہلا ہار
اُن مبارک ہاتھوں سے پہنا ایک ایسی عزت ہے۔ کہ جس کے لئے تین سال کی
بے وطنی اور ریاضت کوئی بڑی قیمت نہیں۔ اور انجمن ضیاء الاسلام کے

اراکین بکثرت تشریف فرما تھے۔ دو دن میں وہاں ٹھہرایا گیا۔ انجمن ضیاءالاسلام کے جلسے دوسرے دن اور اسلام کلب کے "ایٹ ہوم" اور "ڈنر" سے فارغ ہوکر میں ۱۰ رجون کو بمبئی سے چلا۔ ایک دن گوالیار میں ٹھیرا۔ وہاں کے معززین کی مہمانداری اور خلوص دیر تک نہ بھولیں گے۔ گوالیار سے میں دہلی آیا دہلی جتنا بڑا مرکز ہے۔ اسی تناسب سے یہاں کے احباب کا مجمع تھا۔ انجمن بہبود اسلام دہلی نے دہلی کی ساخت کا سنہری ہار جس پر انجمن کا نام لکھا تھا۔ مجھے ہدیتہً دیا میں اس تحفے کو نہائت عزیز رکھونگا۔ خواجہ سید حسن نظامی کی معیت میں نہ صرف درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی زیارت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ بلکہ اُن کی بدولت قابل قدر تبرکات اس درگاہ سے ملے۔ جو میرے لئے باعث فخر و سعادت ہیں۔ دہلی کے بعد انبالہ میں قیام ہوا۔ انبالہ سے جو مدد مخزن کو ملتی رہی ہے۔ اس سے ناظرین مخزن آگاہ ہیں۔ اور اس کو دیکھتے ہوئے جس سرگرمی سے اہل انبالہ نے بسر کردگی اعجاز و نیرنگ میری عزت افزائی کا سامان کیا تھا۔ وہ ہرگز تعجب انگیز نہیں۔ انبالہ سے چلا تو کچھ دوست لودیانہ کے اسٹیشن پر ملے۔ اور کچھ بعد کے مقامات پر جالندھر کا مجمع بلحاظ خوبی اور جوش کے دوآبۂ پنجاب کے زندہ دلوں کے نمایاں تھا۔ مگر۔ ع ۔ حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد گاڑی وہاں صرف چند منٹ ٹھہری۔ اور مجھے اسی روز لاہور پہنچنا تھا۔ اہل جالندھر سے مفصل ملاقات کا وعدہ کرکے۔ آگے چلنا پڑا۔ امرتسر میں انجمن اسلامیہ کے زیر سایہ سرکردگان شہر نے اپنی مشہور مہمان نوازی کی داد دی۔ مگر وہاں بھی چار پانچ گھنٹے سے زیادہ قیام ممکن نہ ہوا۔ ۱۶ رجون کی شام کو

آخر گاڑی لاہور کے قریب پہنچی - میاں میر سٹیشن پر آنریبل میاں محمد شاہ دین صاحب نے دیدار ہمایوں سے شاد فرمایا - اور لاہور نے اپنے ناچیز خادم کے ہاتھوں ہاتھ لینے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی - پُرانے پرانے لوگ کہتے تھے - کہ ایسا مجمع کم دیکھنے اور سننے میں آیا ہے - سیکڑوں احباب سے مل سکا - اور سیکڑوں سے نہ مل سکا - سیکڑوں ایسے رہ گئے - جنہیں دور سے بھی اُس وقت میں نہ دیکھ سکا - بعد کو معلوم ہوا کہ وہ بھی تشریف فرما تھے - اُس دن سے آج تک زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اس تمام محبت اس تمام اعزاز کے لئے میں یاران وطن کا دل سے ممنون ہوں - مگر اس کے ساتھ میں ہرگز ایسا بیخبر نہیں کہ یہ سمجھ بیٹھوں کہ یہ سب کچھ میری ذات کے لئے - یا میں اس کا مستحق ہوں - بلکہ میں جانتا ہوں کہ یہ ملک کی بیداری کا ثبوت ہے - ملک میں اب کام کی قدر پیدا ہو چلی ہے اور جو کوئی تھوڑی بہت خدمت ملک یا قوم کی کرے - اس کی حوصلہ افزائی کا خیال اب اہل ملک کو ہو گیا ہے - اور یہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے - یہ اس حوصلہ افزائی کا ثبوت ہے - اور اس لحاظ سے قابل قدر و لائق تشکر ہے - مجھ سے جو کام آج تک بن پڑا ہے - اس میں مخزن کی خدمت کا ایک معتد بہ حصہ ہے اور اس اعتبار سے جو قدردانی مجھے نصیب ہو - میں اہل مخزن کو اس کے لئے مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں کیونکہ بغیر اُن کی ہمدردی اور مدد کے خود مخزن کو وہ کامیابی حاصل نہ ہوتی - جو آج تک ہو چکی ہے - اور جس کی آئندہ امید ہے -

مخزن اس وقت حالت نمو میں ہے - گذشتہ تین سال میں اس نے خاطر خواہ ترقی کی ہے میرے بعد جس محنت اور جانفشانی سے میرے معاون شیخ محمد اکرام صاحب نے اس رسالے کی حالت کو قایم رکھا ہے - اس کی اشاعت کو بڑھایا اور اس کے مددگاروں کے حلقہ کو وسیع کیا ہے - اس کی داد دینی بھی اس وقت

میرا فرض ہے - میں گیا تو یہ ایک نیا لگا ہوا پودا تھا - اور آیا ہوں تو اسے ایک درخت پاتا ہوں جس کے برگ و بار لانے کی جلد توقع ہو سکتی ہے - میں نے چند در چند مصلحتوں سے اسے آج تک محض علمی رسالہ رکھا ہے اور سیاسیات کو اس میں دخل نہیں دیا - ہر چند کہ سیاسیات کا شوق ملک میں عام ہے اور رسالوں کو مقبول بنانے میں ان سے کام لیا جاتا ہے - میں ملک کی سیاسی تعلیم کو مفید جانتا ہوں اور اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا بھی چاہتا ہوں لیکن میں اس علمی رسالے کو سیاسی بنانے کا قائل نہیں - اگر ضرورت دیکھونگا تو ایک جدا سیاسی رسالہ خواہ ماہانہ خواہ سہ ماہی جاری کروں گا - مگر مخزن برابر اپنا خاص علمی رنگ نبا ہیگا - تاکہ ہر پولیٹکل خیال کے اصحاب - اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اسے یکساں شوق سے پڑھیں اور اس زبان اور اس علم ادب کی ترقی میں جو ہندؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ ہے سب شریک ہوں +

اخلاق

علم اخلاق کی بنیاد دو طرح سمجھی جاتی ہے -

اوّل - احکام الٰہی جو الہامی کتابوں میں درج ہیں جنمیں بحث کی گنجائش نہیں - اہل ایمان پر اُن کا تسلیم کرنا فرض ہے -

دویم - وہ قواعد جو انسانی دماغ نے وضع کئے ہیں -

قسم دویم کی شقیں بہت سی ہیں - ہم اونمیں سے صرف تین بیان کرتے ہیں

(**الف**) وہ قواعد اخلاق جو اتم درجہ کا فائدہ کثیر تعداد عوام الناس کو پہونچائیں اور قلیل تعداد عوام الناس کو نظر انداز کر کے -

(**ب**) جو تجربہ نے ثابت کیا ہو کہ قلت و کثرت ہر دو کے لئے یکساں کارآمد و مفید ہونگے

(ج) اخلاق ارتقائی — یعنے وہ قواعد جو روز آفرینش بنی نوع انسان سے درجہ بدرجہ ترقی کرتے جاتے ہیں — اور تہذیب کے ادھیوں کی ترقی کے ساتھ اُنکی ترقی جاری رہتی ہے۔

جو لوگ کتب الہامی کے قائل ہیں اُن کا عقیدہ ہے کہ جو شخص خلاف ورزی احکام الٰہی کرے گا وہ علاوہ اُس سزا کے جو قانون رائج الوقت سزد کرے اس مزید سزا کا بھی مستوجب ہوگا جو خداوند تعالیٰ تجویز کرے گا خواہ وہ بروز قیامت تک ملتوی ہو یا ساتھ ساتھ تناسخ کے ذریعہ سے بھگتی جاوے۔ جو لوگ غیر الہامی اخلاق کے قائل ہیں وہ خلاف ورزی کے مکافات مختلف طرح سے بیان کرتے ہیں۔ علی ہذا نیک کرداری کے فائدے بھی ہر دو فریق مختلف طرح سے بیان کرتے ہیں

اندریں اہل ایمان کے تعداد کم ہوتی جاتی ہے اور جس درجہ تک مذہب کا انیس تنزلزل ہوتا جاتا ہے اسی تناسب سے الہامی اخلاق میں زوال آتا جاتا ہے۔ خواہ ہم کتنا ہی افسوس کریں یہ امر واقعہ ہے کہ دلیل کی روز بروز محض ایمان پر فتح ہو رہی ہے غیر الہامی اخلاق کے ماننے والوں میں شق (الف) اور (ب) کے پیرو بھی کم ہوتی جاتی ہیں اور روز افزوں تجربہ سے اور سائنس کی ترقی سے اُنکے دلائل سست ہوتے جاتے ہیں۔

اسوقت شق (ج) تقویت پکڑتی جاتی ہے۔ اور نوبت یہانتک پہونچنے لگی ہے کہ بعض لوگ مذہب کو محض اخلاقی بنیاد دینے لگے ہیں اگر الہامی اخلاق ماننے والوں نے اپنی کاہلی سے اور موقعہ دیا تو ارتقائی اخلاق عالمگیر ہو جاوے گا اور الہامی اخلاق کی طرز وصورت کو بدل دیگا ارتقائی اخلاق انگریزی زبان میں (ایوولیوشنری ایتھکس) کہلاتا ہے اور اس سلسلہ اخلاق کے ترتیب دینے والوں میں سے سب سے مشہور اور زبردست مسٹر ہربرٹ سپنسر ہے + اس مختصر مضمون کی احاطہ میں اس سلسلہ کے

اصول موضوعہ بیان کرنے ناممکن ہیں اسقدر لکھنا کافی ہوگا کہ جس شخص کو ان اصولوں سے مفصل واقفیت حاصل کرنا مطلوب ہو وہ ہربرٹ سپنسر کی کتاب (ڈاٹا اف ایتھکس) کو مطالعہ کرے۔

ارتقائے اخلاق کے مدعیان کا دعویٰ یہ ہے کہ مثل دیگر امور کے اخلاق بھی کسی ایک نقطہ پر ساکن نہیں رہ سکتا اور ارتقا کی قاعدہ کلیہ کے مطابق اخلاق سادہ یکرنگی سے ترقی کرتا ہوا پیچیدہ نیرنگی اختیار کرتا جاتا ہے جسکی تہ میں انسانی خود حفاظتی علت غائی ہے۔ صدیوں کے تجربہ سے سائنس کے اصولوں کی واقفیت سے انسانوں کے زیادہ باہمی اختلاط و تعلقات سے باریک تر ہو جاتا ہے۔ انسان کی وحشی حالت فی الجملہ رو بہ ترقی ہے اور مہذب ہوتی جاتی ہے جیسے جیسے تہذیب جملہ صیغوں میں ترقی کرتی ہے ویسے ویسے اخلاق بھی پیچیدہ نیرنگ پر تکلف پر از تصنع ہوتا جاتا ہے۔ جو عمل کسی زمانہ اخلاق کے خلاف نہیں سمجھا جاتا تھا اب اسکو سخت نفرین کے قابل سمجھنے لگے ہیں۔ اگر کبھی کسی قوم یا ملک میں ارتقائے اخلاق کے خلاف عمل ہوتے لگتا ہے تو عرصہ معقول کے بعد عارضی تعطل دور ہو جائے اور رفتار ترقی پھر شروع ہو جاتی ہے حتی کہ ارتقائے اصول مانع والے الہامی اخلاق کبھی انسانی ترقی کی تدریج سمجھتے ہیں۔ الغرض اخلاق مروجہ کسی ایک مرکز پر ساکن نہیں اور آئندہ اور زیادہ ترقی ہونے کی امید کی جاتی ہے۔ اخلاق کے احاطے بھی تجویز ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً

(۱) مختلف مذاہب کی پیروں کے باہم تعلقات بلحاظ اختلاف مذہب کے۔ (۲) مختلف قوموں کے باہمی پولیٹکل تعلقات۔ (۳) تجارت کے اندرونی و خارجی تعلقات۔ (۴) تعلقات سلطنت منجانب رعایا و تعلقات رعایا منجانب سلطنت۔ (۵) تعلقات خاندان قومی یعنے باہم پدر و پسر۔ زن و شوہر۔ دیگر رشتہ داران ہمسائہ۔ ہم قوم و ہم مذہب وغیرہ وغیرہ +

(۶) تعلقات منجانب کل بنی نوع انسان بقطع نظر ہم قومی و ہم مذہبی +

ان تعلقات کے تشریح زمانہ حال میں رفتہ رفتہ ایسے اصولوں پر ہوتی جاتی ہے کہ تقریباً ساری دنیا تسلیم کرتی جاتی ہے۔ اغراض ذاتی اور قومی میں بے خیالات انسانی نے قدیمی تبدیل شدہ طرز اختیار کر لی ہے۔ اور بڑا اصول یہ ہے کہ ؎ نہ چندان بخور کز دہانت برآید

نہ چندانکہ از ضعف جانت بر آید + ذاتی اغراض اور قومی اغراض کو اس طرح سے وابستہ کیا گیا ہے کہ ایسی فنا فی القومی ایسی قربانی ایسی حب وطنی جس سے کسی شخص کے بچے بھوکے مریں قابل تحسین نہیں ہے اور نہ ایسے خود غرضی جس سے قومی حقوق کو ہرج پہونچے یا اُنکی محافظت پوری نہو سکے قابل نفرین ہے۔ علی ہذا دوکانداری صنعت حرفت بیوپار جسے پہلے ذلیل کام سمجھا جاتا تھا اب وہی مستحسن ہے جنگجوئی کشت خون۔ مذہبی جوش وغیرہ وغیرہ جو کبھی صنعت سمجھی جاتی تھی اب وہ درجہ آخرین سے گذر گئی ہیں ہمکو اس بات سے بحث نہیں کہ فی الواقعہ زمانہ ترقی کر رہا ہے یا تنزل پر ہے۔ نہ اس بات سے بحث ہے کہ آیا الہامی اخلاق درست ہے یا ارتقائی۔ ہمکو اس امر کا اظہار کرنا مقصود ہے کہ ہندوستان میں اخلاق کی ترقی معلوم نہیں ہوتی۔ زبانی داخلے شد و مد سے بیان کیے جاتے ہیں عمل اُس کے مطابق نہیں۔ اگر الہامی اخلاق اور ارتقائی اخلاق میں کہیں کہیں فرق ہے تو کلیات میں نہیں جزویات میں ہے۔ اصول میں کوئی فرق عظیم نہیں محض فروع میں قدرے فرق ہے۔ الا موٹے موٹے اصول دونوں کے ایک سے ہیں۔ آجکل چاروں طرف سے ترقی کی پکار ہو رہی ہے۔ ملک کا سدھار۔ دیش کی اُنتی۔ ہر اہل قلم و زبان کیلیئے وظیفہ بنا ہوا ہے۔ یہ شوق اور مذاق قابل آفرین ہے لیکن مقولہ پرانا ہے کہ راست بازی قوم کو پایۂ رفعت پر پہونچاتی ہے۔ گورنمنٹ وقت سے یہ توقع نہ چاہیے کہ وہ اخلاق ہندوستانیوں کے سدھارے بلکہ یہ کام ہمارے رہنما اور ہادیان کا ہے۔ ہندوستان کی مختلف قوموں کا باہم راست بازی سے تعلقات رکھنا۔ اور گفتار و کردار کو مطابق رکھنا۔ خاندانی تعلقات میں صفائی حاصل کرنا۔ حبیب وطن بننا اور ملک کے بہبودی کا خواہاں ہونا اور ساتھ ہی اپنے اپنے مختصر احاطوں میں ترقی کرنا ایسے صفتیں ہیں جو پیدا ہو جانی چاہئیں حق یہ ہے کہ فرداً فرداً ترقی ضروری ہے تاکہ افراد قوم رہنماؤں اور ہادیوں کے محتاج نہ رہیں اگر لوگ اکثر حفظ ماتقدم ملحوظ رکھتے تو طبیب اور حکیم کی ضرورت کم رہجاتی ہے + یورپین تہذیب اور تعلیم سے ہم کو محض معلومات کے ذخیرہ کی ترقی معلوم ہوتی ہے نہ کہ اخلاق کی۔

(شمیم)

افاداتِ قرآن کریم

متعلق

تمدّن اسلام

۲

(سلسلے کے لئے دسمبر ۱۹۰۶ء کا رسالہ ملاحظہ ہو)

اشاعتِ اسلام کی ابتدائی رو نے عربی قبائل کے بہتیرے جتھوں کو صحرائے عرب سے نکالا جس کے حدود عرب کے شمالی اور مشرقی حصّہ سے لیکر شام اور سواحل فرات تک پھیلے ہوئے تھے۔ مالِ غنیمت اور فتوحات کے شوق نے ان وحشی قبائل کو اپنے افعال میں متحد الغایت بنادیا اور زیادہ دن گذرنے نہیں پائے تھے کہ شام و بابل کی سلطنتیں خلیفۂ وقت

(فٹ نوٹ) مجھ کو افسوس ہے کہ اقتباس کا یہ حصّہ علامہ شبلی کی نظر سے نہ گذر سکا۔ ابھی معلوم ہوا ہے اتفاقیہ بندوق کے چل جانے سے ممدوح کا پائے مبارک زخمی ہو جسکے کٹنے کی نوبت آئی۔ آج لٹریری دنیا میں جو کچھ دم ہے آپکی ذات سے ہے۔ نہایت افسردگی کی حالت میں اسے بھیج رہا ہوں پچھلے نمبر میں جو نوٹ دئے گئے تھے۔ ممدوح کے ایما سے لکھے گئے تھے۔

عربی اصطلاحات کے لئے میں مولانا سید کرامت حسین بیرسٹرایٹ لا۔ کامنوں مون جھوٹا نے نہائت مہربانی سے مجھے قیمتی امداد دی۔ ورنہ لٹریچر اس قدر سخت تھا کہ ترجمہ ظاہرًا اردو کی استطاعت سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ (ایم۔ ایچ)

کے قبضۂ اقتدار میں آگئیں - ان دونو ممالک میں اُس وقت ایسی قومیتیں آباد تھیں جن کے پاس قدیم ترین زمانہ سے ایک حد تک اعلےٰ سے اعلےٰ تمدّن موجود تھا - اس لئے عربوں کو اُن دماغی عناصر سے سابقہ پڑا جو اُن کے لئے بالکل ہی نئے تھے اور جنکی پوری قوت کا اندازہ بھی وہ بحیثیت موجودہ مشکل سے کر سکتے تھے - ملک شام میں اِسلام کو ایک ایسا مذہبی نظام ملا جس میں نمونے اختراعی موجود تھا اور جس کی بنیاد منطقی اصول پر ایک عرصۂ دراز کے منقولانہ مباحث واختلافات کے بعد پڑی تھی - بابل میں بہتیرے مذاہب پہلو بہ پہلو ایسے موجود تھے - جنکی باہمی رواداری قدیم جاہلیت کے نظامات مذہبی کے لئے مایۂ ناز تھی - اسلام نے ان قدیم معتقدات سے ایک سخت ٹکر کھائی جس سے وافر مرکبات اور نتائجِ متنوعہ حاصل ہوے اور اس دماغی کشمکش اور خیالات کی کایا پلٹ نے جو طبعاً پیدا ہوتی گئی - مشرق کی مذہبی تاریخِ مابعد پر نہائت ہی گہرا... اثر ڈالا

ہم راویانِ عرب کی غیر منقطع کوششوں کے ممنون ہیں کہ انکی بدولت آج ہم کو اُس زمانہ کی سیاسی اور فوجی تاریخ کا علم حاصل ہے جو اتنا ہی صحیح ہے جس کی توقع بارہ صدیوں کے طولانی زمانہ کے بعد کی جاسکتی ہے - لیکن اُس نادر الوجود عہد کی اندرونی تاریخ اور یہ کہ ایک جدید اور غیر شائستہ مذہب نے کیونکر اُن قدیم اور اعلےٰ درجہ کے ترقی یافتہ نظاماتِ مذہب کا مقابلہ کیا ایک راز ہے جس کے متعلق معمولی جزئیات بھی معلوم نہیں ہیں -

اس لئے یہاں میں اُن واقعات سے بحث کرنے کی کوشش کروں گا - جو آزادانہ تحقیقات پر مبنی ہونے کے سوا پہلے پہل صفحہ تاریخ پر لائے جائینگے ان واقعات سے اسلام اور عربی تمدن پر بیرونی اثرات کا اندازہ ہوگا - اور ایک

کامل مُرقّع آپ کے پیش نظر ہو جائے گا۔

مذہب عیسوی پہلا نظام تھا جس سے اسلام سے مُدبھیڑ ہوئی۔ دمشق کسی زمانہ میں خلفائے بنی امیہ کا مسکن تھا۔ اور واقعی وہاں مذہبی درس گاہیں اس پایہ کی موجود تھیں جنسے مشرقی چرچ کے بڑے بڑے فاضل پیدا ہوئے۔ دارالخلافت میں دماغی مشاغل زوروں پر تھے مسلمان اور عیسائی فاضلین میں طرح طرح کے روابط و تعلقات رہتے ہونگے یہ یقین ہے کہ ان میں مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ گو اُنکی تقریریں محفوظ نہیں رکھی گئیں۔ یہانتک کہ جانؔ دمشقی اور تھیوڈور ابو قرہ کی تحریرات بھی ان سے خالی نہیں۔ ان ہی مذہبی مباحث سے احتمال غالب یہ ہے کہ اسلام کے وہ ابتدائی مذہبی فرقے پیدا ہوئے جو آگے چلکر مرجیہ اور قادریہ کہلائے۔

خلفائے بنی اُمیہ جو صرف عیش کے بندے تھے انہیں سے اکثر عیسائیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ غیر متعصبانہ پیش آتے تھے۔ عیسائی محض دربار شاہی تک آزادانہ گھس پیٹھ نہیں رکھتے تھے بلکہ انکو سلطنت کے نہایت معتمد اور ضروری عہدے بھی ملتے رہتے تھے سرجیس۔ جان دمشقی کا باپ خلیفہ عبد الملک کے دربار میں مشیر اوّل کا درجہ رکھتا تھا۔ اُس کے بعد اُس کے بیٹے نے یہ جگہ پائی۔ ایک عیسائی خلفائے بنی اُمیہ کا درباری شاعر بھی تھا۔ زمانہ عیسائیوں کے اس قدر موافق تھا۔ کہ یہ بغیر کسی اندیشے کے مسجدوں میں بھی بار پاتے تھے اور عام طور پر طلائی صلیب زیب تن کئے پھرتے تھے۔ اس بے تعصبی نے جو خلفاء کی طرف سے برتی جاتی تھی لازماً مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی راہ و رسم

بڑھائی ہوگی - یونانی ربیّوں کی صحبت میں جو فن مناظرہ میں لطیف دستگاہ رکھتے تھے عربوں نے فلسفیانہ مباحثے سیکھے جس کی بعد میں اُنہوں نے اتنی قدر کی اُنہی سے پھر مسلمانوں نے پہلا سبق "لطائف منقولی" میں حاصل کیا - یہ ایک ایسا فن تھا جس میں علماے مشرقی ڈوبے ہوئے تھے اسی طریقہ پر اس غیر معمولی مماثلت کی توجیہ ہوسکتی ہے جو ہم کو مشرقی عیسائیت اور اسلامی منقولات کی خاص خاص صورتوں میں محسوس ہوتی ہے -

اولاً خدا کی ذات وصفات کے متعلق تحقیقات کی گئی جس نے یونانی اور نہایت قدیم عربی علما کی تصنیفات میں سب سے پہلے جگہ پائی ہے قدیم ترین علماے اسلام اور کلیساے یونانی کے ربّی جرو قدر کے مسئلہ میں بہت منہمک معلوم ہوتے ہیں - مغربی چرچ کے خلاف کلیساے یونانی کے علما "خلود فی النار" کے مسئلہ سے متفق نہیں تھے اور یہی خیال اسلام کے اُس قدیم فرقہ کا تھا جس کو **مرجیہ** کہتے ہیں -

اس کا بہت افسوس ہے کہ اس فرقہ کے متعلق ہم بہت ہی کم صحیح معلومات رکھتے ہیں کیونکہ اس نے بھی اس زمانہ کی تقدیر میں حصّہ لیا - عہد بنی اُمیّہ کی عربی تاریخیں بالکل ہی فنا ہوچکی ہیں اور سب سے پرانی تاریخ جو ہم تک پہونچی ہے عہد عباسیہ کی ہے - **مُرجیہ** کے متعلق جو کچھ اطلاع ہم کو ملی ہے وہ اُن منتشر روایات کی بنا پر ہے جو کچھ مُتاخّرین کی تصنیفات میں ملتی ہیں قدیم سے قدیم تحریر جس میں اُس کا بیان ہے ایک نظم ہے جس پر آجتک توجہ نہیں کی گئی - یہ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں لکھی گئی تھی - اس نظم کا مضمون جو بہت پُرانا ہے اور جو آجتک غیر معلوم حالت میں تھا

مُرجیہ کے خیالات کے متعلق جو کچھ متاخرین سے ہمکو معلوم ہوا ہے اُس سے پوری مطابقت رکھتا ہے مرجیہ - بمقابلہ قدیم فرقہ شدید العقائد اور متعصّب خارجیوں کے - زندگی موجودہ اور آیندہ پر اُمیّد وثوق کی نظر ڈالتے تھے - خاصکر اُن کو "خلود فی النار" سے قطعاً انکار تھا - اس مسئلہ میں وہ یونانی ربیتوں سے بالکل ہی متفق ہو گئے تھے کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے کلیسائے مشرقی میں - اوائل ہی سے نہایت سختی کے ساتھ مغربی علما کی رائے کے خلاف یہ خیال قایم ہوگیا تھا کہ "خلود فی النار" کا عقیدہ صحیح نہیں ہے -

اُریجن مضبوطی سے سزائے خاتم کا قائل تھا - اور اس مسئلہ میں تمام اہل اسکندریہ اس سے متفق ہیں - یہانتک کہ اساتذۂ کلیسیائے اَنٹی اوک - ڈایڈورس آف تارسس اور تھیوڈور آف ماپسوائسٹیا گو اور امور میں اُریجن کے ہم خیال نہیں ہیں لیکن اس مسئلہ میں اعتقاداً اُس کے شریک ہیں - وہ "خلود فی النار" کے مسئلہ پر بھی بحث کرتے تھے - ایک دوسرا امر جو کلیسائے یونانی اور اسلام میں متفق علیہ ہے یہ ہے کہ یونانی چرچ کی طرح اسلام بھی "کفارہ" سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا -

مرجیہ کی نرمی عقائد میں (بمقابلہ اُس ہیبت وخوف کے جو قرنِ اول کے راسخ الاعتقاد مسلمانوں پر چھایا ہوا تھا) ایک طرح کا سکون اور زندہ دلی پائی جاتی تھی جو جان دمشقی کی تعلیمات سے بالکل ہی ملتی جلتی ہے جو اس فرقہ کی ابتدائی نشوونما کے وقت مذہبی غور وخوض میں مصروف رہتا تھا - اور جس نے بنی امیہ کی دار الخلافت میں اچھی خاصی شہرت

حاصل کی تھی وہ کہتا ہے کہ "اس امر کا جاننا ضروری ہے کہ "خدا۔ اپنے اصلی اور پیش بیں ارادہ کے مطابق ہم سب سے چاہتا ہے کہ اُس کی بادشاہت میں حصّہ لیں۔ اُس نے ہم کو سزا کے لیئے نہیں پیدا کیا۔ وہ مہربان ہے اس لئے ہم کو اُس کی فیاضی سے مستفیض ہونا چاہئے۔ گنہگاروں کو وہ سزا دیتا ہے کیونکہ وہ منصف ہے"۔

مرجیہ کے بہت سے خیالات آگے چل کر اسلام میں داخل ہوئے **مذہب حنفی** جس نے بہت زیادہ رواج پایا۔ جس کا پیرو ترکی مسلمانوں کا حصّہ غالب ہے **مرجیہ** کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اس کے بانی نے **مرجیہ** کے نہایت ضروری مسائل کو تسلیم کیا اور جہانتک قدیم تاریخی اسناد کا تعلق ہے خود **مرجیہ** کہلایا۔ ماسوا اس کے عربی لٹریچر میں سب سے قدیم مورخ مذہب یعنی **ابن حزم**۔ مرجیہ کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا فرقہ تھا جو پابندی شرع سے ذرا۔ ادھر اُدھر نہیں ہوتا تھا مذاہب اربعہ میں **حنفی** ہمیشہ نہایت متحمل اور غیر متعصب رہے ہیں۔ خدا کی تنزیہ و تقدس کا تخم ایک ہزار سال ہوئے کہ بویا گیا تھا اور تقدیر انسانی صدیوں کی سختیاں اور صعوبات جھیلکر ہمارے عہد تک پہونچی ہے

بہرحال یہ ایک ایسا مظہر ہے جسپر خالص توجہ کی ضرورت ہے۔ یعنی دو عظیم فرقہ ہائے اسلام حنفی و شافعی میں پہلا جہاں نہایت متحملانہ ہے دوسرے میں تعصب اور تشدد فی المذہب پایا جاتا ہے پہلے نے عالمگیر وسعت پائی اور دوسرے میں برابر انحطاط آتا گیا۔ جب میں ان واقعات متذکرہ پر نظر ڈالتا ہوں تو اپنی اس رائے کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ **مرجیہ** اپنی اصابت اور ہیئت

کہ ازمنہ کے لئے کلیسائے یونانی کے مذہبی فلسفہ کے ممنون ہیں۔ اس کے متعلق کامل تصریحات پیش نہیں کیجا سکتی ہیں۔ کیونکہ باستثنا دو ایک قطعات کے مرجیہ کی تحریرات قریباً بالکل فنا ہو چکی ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہ مواد بھی جاتا رہا جس سے ان کی تعلیمات کا پورا پورا موازنہ ربیان یونانی کے ساتھ ہو سکتا۔

اور لیجیئے۔ اسلام کا ایک دوسرا ابتدائی فرقہ عیسائیت کے ساتھ اور بھی شباہت و اتحاد قریبہ رکھتا ہے۔ میری غرض **قادریہ** سے ہے جو خیر سے اسلام میں آزاد خیال ہیں اور جنہوں نے آگے چلکر **معتزلہ** کے نام سے ایک ممتاز درجہ حاصل کیا۔ اس خیال کے بہتیرے سبب ہیں کہ **قادریہ** کے مذہبی عقائد عیسائیت سے ماخوذ ہیں اور اس سے کچھ کم متاثر نہیں ہیں یہ امر لائق لحاظ ہے کہ ان کے تصورات بالتخصیص خدا کی ذات وصفات کی طرف مائل رہتے تھے۔

یہی رجحان ربیان یونانی میں بھی پایا جاتا ہے ان کے ہاں بھی خدا کی ذات وصفات کا مسئلہ پیش پیش تھا۔ مسئلہ اختیار کو عربوں کے ملک شام فتح کرنے کے تھوڑے سے دن بعد۔ علمائے عیسوی نے پیش کیا تھا۔ جو دمشق کے رہنے والے تھے اور عربوں سے ملتے جلتے رہتے تھے میری مراد جان دمشقی اور تھیوڈر ابو قرہ سے ہے۔ اول الذکر نہایت استحکام کے ساتھ اس رائے پر قایم تھا کہ خدا صرف اچھائی چاہتا ہے اور وہ اچھائی کا مخرج ہے۔ .... وہ کہتا ہے جس طرح روشنی آفتاب سے نکلتی ہے۔ اچھائی خدا سے ظہور میں آتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جان دمشقی کی تحریرات میں معتزلہ کا ایک مسئلہ بہت پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے جزا و سزا۔ اعمال

انسانی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اُس نے انسان کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ اُن کو تلف کر دے یا تلوّن مزاجی کے ساتھ انکو بیرحمی کا شکار بنائے یہ مسئلہ معتزلہ کے ہاں خُدا کے ادراک کا اصل الاصول ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرجعہ نے بھی اسے تسلیم کرلیا ہے۔ اسیطرح بہتیرے مباحث ہیں جنپر مسلمان علما نے تفصیل کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے لیکن جن کا ہولے ربیّاں یونانی کی تحریر میں پایا جاتا ہے۔ میں صرف ایک لفظ یعنی "طعطیل" کا ذکر کروں گا جو علمائے عرب نے "کنوسِس" (　　) کے لئے وضع کیا۔ جو عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں خدا کے ادراک کو تمام صفات انسانی سے منزّہ کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ قدیم ترین نسخہ عربی یعنی فقہ الاکبر میں جو ایک مختصر سی کتاب ہے۔ ظاہرا بہتیری باتیں ایسی ملتی ہیں جو ربیّان یونانی کو یاد دلاتی ہیں۔

فرقۂ معتزلہ کا بھی عیسائیت سے متاثر ہونا پایا جاتا ہے اور ہم اس خیال کے لئے کافی وجہ رکھتے ہیں جو نیا ہو تو ہو تاہم بے بنیاد نہیں ہے کہ ابتدائی اسلام کے مذہبی فرقوں کا نمو اور کلیات منقولی جو ارتقا اُنکے ظہور میں آئے وہ خاصکر عیسوی خیالات کے زیر اثر واقع ہوئے تھے۔ اس طرح مسائل مرجعہ اور قادریہ کا تعلق براہ راست کلیسائے یونانی کے اجتہادات سے پایا جاتا ہے جو علمائے دمشق کی تحریرات میں ملتے ہیں۔ معتزلی مسائل نے جنکا سلسلہ غالباً دمشق یعنی خلفائے بنی اُمیہ کے مسکن تک پہونچتا ہے بہت بڑی ترقی۔ بالامتیاز۔ بصرہ کوفہ اور بغداد میں حاصل کی اور یہ اُن سیاسی تشنجات کی پناہ میں حاصل ہوئی۔ جنھوں نے اسلامی سلطنت کے مرکز ثقل کو دفعتاً دمشق سے بابل کی طرف منتقل کر دیا۔

اس فرقہ کی تقدیر مابعد جو عربوں کی تمام وکمال دماغی حرکت پر عمیق اثر رکھتی تھی ہمارے موجودہ دائرہ تحقیقات سے باہر ہے۔

بجائے اس کے ہم اُن اقطاع ارضی کی طرف متوجہ ہونگے جو سواحل فرات پر واقع ہیں۔ جہاں اسلام نے بیرونی عناصر سے جنسے سابقہ پڑا بالکل ہی جداگانہ نوعیت کے اثرات حاصل کئے۔ وہ خوبصورت خطہائے ارضی جنپر فطرت کی خاص عنایت تھی اور جو لب دجلہ وفرات واقع تھے۔ ان میں عربی فتوحات کے وقت پہلو بہ پہلو ایسی قومیں آباد تھیں جو مذاہب مختلف کی پیرو تھیں۔ حکمران عجمی مذہب زرتشت رکھتے تھے۔ عیسائیت نے خاصی ترقی کی تھی اور بعض شہروں میں اُسے غلبہ حاصل تھا۔ تمام بدوی قبائل جنہوں نے عراق عرب کو اپنی چراگاہ بنا رکھا تھا۔ ایکدم سے آغوش کلیسا میں پہونچگئے تھے۔ اسی کے ساتھ مذہب مانوی کے پیرو بھی موجود تھے جو عقائد زرتشت کے ساتھ عیسوی اور ہندی خیالات کے اختلاط سے پیدا ہوا تھا آخر آخر میں بھی مذاہب جاہلیت کے ماننے والے کچھ کم نہیں تھے جنمیں سب سے آخری جماعت صابئین حرّان کی تھی جو عہد اوسط تک زندہ بچگئی۔

جاہلیت کی بہت سی رسمیں یعنی "سنت الاولیں" عرصہ تک جاری رہیں۔ مثلاً دعوت عنقود (ایڈونس) بعض خاندانوں کی معبودانہ پرستش جس کی ایک نظیر ہم کو ساتویں صدی ہجری میں بھی ملتی ہے۔

فاتح مسلمان جو مفتوحہ اقوام سے خُدا کا سا برتاؤ کرتے تھے اور اُنپر نہایت سخت قسم کے کاموں کا بار ڈالتے تھے اُنکی فوجی سخت اور تیز خلیفہ ثانی کے اُصول کی سختی اور ایک رنگی نے (جنہوں نے قطعاً عربوں کو زمینداری اور کاشتکاری سے روک دیا تھا۔ تاکہ وہ غیر مشترک طور پر صرف

فوج کے ہوکر رہیں، یہ نتایج پیدا کیئے کہ ہر طرف لوگ مسلمان ہونے لگے۔ ارضِ مفتوحہ کے بہت سے پرانے باشندے غلام کی حیثیت سے بیچے گئے اور اس وقت آزاد کئے گئے جب وہ مسلمان ہوئے اور اپنے آقاؤں کے ساتھ اُنہوں نے بحیثیت موالی تعلقات پیدا کیئے۔

جب ہم خیال کرتے ہیں کہ عربی اصول قانون کے مطابق ایک "مولے" کی اولاد "آقا" کی اولاد کے مقابلہ میں وہی درجہ رکھتی ہے جو اصلی مولا کو اصلی آقا کے لحاظ سے حاصل ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کیونکر مخلوط النسل اشخاص کی تعداد اس قدر تیزی سے بڑھتی گئی جو ممالک مفتوحہ سے لئے گئے تھے اور جو فاتحین عرب سے "موالی" کا تعلق رکھتے تھے۔ یوں نومسلموں کا روز افزوں دایرہ بڑھتا گیا۔ انکا کچھ حصہ تو باطناً اپنے قدیم معتقدات مذہبی کو صحیح سمجھتا تھا لیکن بہت سے واقعی ایسے تھے جنہیں اسلام کی تعلیمات نے لہمانہ سرگرمی پیدا کردی تھی۔ جنکی حیرت انگیز کامیابی نے انکی صداقت اور خلوص کا اعلان کردیا۔ یہ ایک مذہب کی بندش عامہ تھی جسنے مختلف اور متفرق عناصر کو یکجا کردیا لیکن یہ رشتۂ اتفاق چونکہ ضعیف و کمزور تھا پہلے ہی صدمہ کی تاب نہ لاسکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوکر رہگیا۔

یہ صورت اُسوقت پیش آئی جب علی اور معاویہ میں ملکی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ایک شائق جمہوریت پارٹی قائم ہوگئی تھی جس میں خاصکر اصلی عربی عناصر شریک تھے جو دونو مدعیان تخت سے خلاف تھے۔ علی کے گرد ایک شدید العقاید گروہ کثیر جمع ہوگیا۔ جو اُن کو پیغمبر کا وارث جایز سمجھتا تھا۔ اور جو قدیم عجمی خیال کے مطابق سلطنت ربانی کو

انکی طرف منسوب کرنا چاہتا تھا - یہانتک کہ اُس نے علی اور اُن کی اولاد کی پیغمبر کی طرح پرستش کی - اس طرح شیعیان علی کا ایک بہت بڑا فرقہ مذہبی عالم وجود میں آیا جو مشرق کی تاریخ مابعد میں اسقدر ضروری نکلا جنکی انتہائی بلند پردازی یہ تھی کہ وہ علی کو خدا سمجھتے تھے جو ذرا معتدل خیال کے تھے وہ علی کے جانشینوں کو دنیادی اور روحانی امور میں جایز پیشوایان اسلام خیال کرتے تھے -

شیعوں کے وجود کے سبب اُدلے کو صرف قدیم مشرقی - یا شاید عجمی خیالات کی طرف منسوب کرنا ایک ناانصافی ہوگی - کیونکہ ہم متقدمین پیروان علی میں عربی نسل کے ممتاز آدمیوں کو دیکھتے ہیں یہ شیعی اس لئے ہوئے کہ اُس بڑی کشمکش میں جو تخت کے لئے علی اور معاویہ میں پیش آئی تھی اُنھوں نے علی کا ساتھ دیا جنکی رفاقت میں بہت سے عجمی اور خارجی اشخاص تھے جنکے مذہبی خیالات نے شیعوں میں بتدریج قبولیت حاصل کی تھی -

قدیم عربی شیعوں میں ہم کو ایک ایسا عقیدہ ملتا ہے جو غیر عربی عنصر یعنی سنت الاولین کا صاف اور غیر مشتبہ نقش معلوم ہوتا ہے اور جو کسیطرح وطنی پیداوار نہیں سمجھا جا سکتا - یہ وہ مسئلہ ہے جس کا ذکر عربی تحریرات میں الرجعتہ یعنی مسئلہ واپسی کے نام سے آتا ہے - عقیدہ الرجعتہ اُس زمانہ کی زبان میں یہ خیال ظاہر کرتا تھا کہ شیعیان علی مرنے کے بعد پھر زندہ ہونگے اور تمام آدمی ایک مدت کے بعد جو چالیس دن سے کم نہ ہو جی اُٹھینگے - اس مسئلہ نے معتقدین میں ایک خاص طرح کی باطنی گمراہی پیدا کر دی کیونکہ اُس نے اُن لوگوں میں موت کی غیر معمولی تحقیر کو ترقی

دی تھی - ایک عربی شیعی جس کا نام خندق تھا اس قدر راسخ العقیدہ تھا - کہ اس نے اپنے دوستوں کو یقین دلایا تھا کہ اگر اُس کے خاندان کی کوئی کفالت کرے تو وہ اغراض عام کے لئے اپنی جان دینے کو بالکل تیار تھا ایک دوست نے اُسے اطمینان مطلوبہ دلایا اور وہ مکہ چلا گیا جہاں اُس نے باآواز بلند اہل مکہ پر گالیوں کی بوچھاڑ کی اور یہ الزام لگایا کہ اُنہوں نے خاندان رسالت کو جو اسلام کے جائز پیشوائے مذہبی تھے چھوڑ رکھا تھا - شیعیوں میں واقعی بہتیرے سخت خیال ایسے موجود تھے جن کا عقیدہ تھا کہ خلافت صرف اولاد علی کا حق تھا - اُن کو پختہ یقین تھا کہ جلد جی اُٹھینگے اس لئے بے تکلف موت سے ہم آغوش ہوتے تھے - اور آج بھی شیعیان عجم میں عقیدۂ رجعۃ موجود ہے جس کے شواہد بابیوں کے ہنگامہ کی تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں - نصیریوں میں بھی یہی مذہبی خیال آج تک چلا آیا ہے کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں مسئلہ رجعۃ کو یوں چسپان کرتے ہیں کہ ظہور الوہیت بار بار انسانی صورت میں ہوتا رہتا ہے - اس کے سوا ایک عربی شیعی یعنی شاعر کثیرؔ کی نسبت (جو فرقہ قیسانیہ یا خشبیہ سے تھا) کہا جاتا ہے کہ وہ تناسخ اور مختلف صورتوں میں خدا کے تجسم کے مسئلہ کی تلقین کرتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسائل مذہب مانوی سے ماخوذ ہیں - مسئلہ الرجعۃ اور حشر و نشر یہود و نصاریٰ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عیسےٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کی روایت سے پایا جاتا ہے - یہ صاف ظاہر ہے کہ عقیدہ رجعۃ اُسوقت بلکہ اُس سے پہلے مشہور ہو چکا تھا - عام عقیدے کے مطابق پیغمبران یونس و الیاس مرے نہیں تھے بلکہ اُن کے زندہ اجسام حران کی قبروں میں

وقتِ استراحت تھے۔ ۴۰ دن کی مدت عیسوی روایات میں اسی طرح پائی جاتی ہے جس طرح ان ابتدائی فرقہ ہائے اسلام میں۔ اس خیال کے مطابق حضرت عیسےٰ کی دنیوی زندگی کی مدت دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تاریخ حواریین میں چالیس دن کی قرار دی گئی ہے۔ "اعمال حواریین" کے ایک نقرہ میں مسئلہ رجعتہ کا ذکر ہے جہاں تمام چیزوں کے دوبارہ پیدا کرنے کا بیان آیا ہے۔ اسی سے عہد عیسوی کی پہلی صدی میں اس "ہزار سالہ مدت" کا خیال پیدا ہوا جسمیں مسیح پھر آکر سلطنت کرینگے۔

یہ تنقیدات تمثیلاً ان اہم تغیرات کے دکھانے کے لئے کافی ہیں جو بیرونی تمدّن کے اثر سے اسلام پر طاری ہوئے۔ لیکن یہ موثرات صرف مذہبی امور ہی میں پوری قوّت کے ساتھ اپنا کام نہیں کر رہے تھے بلکہ اجتماعی (سوشل) دایرہ ان سے کہیں زیادہ متاثر ہو رہا تھا۔

(باقی دارد)

ایم - مہدی حسن
افادی الاقتصادی الہ آباد۔

تمنّائے دل

کسی کو یہ خواہش کہ عزّت بہت ہو
کسی کو تمنّا کہ دولت بہت ہو
مہیّا ہوں اسباب راحت کے سارے
لذائذ بہت - زیب و زینت بہت ہو
کوئی اختیارات کی آرزو میں
کسی کو یہ الجھن حکومت بہت ہو
مری کوئی پوچھے تو یہ ہے تمنّا
کسی خوش شمایل سے الفت بہت ہو
نہ ہو ایک کو ایک بن چین پل بھر
ہوں اک جاں دو قالب محبت بہت ہو
مزا ہے اگر زندگی کا تو اس میں
بلا سے نہ گر جاہ و ثروت بہت ہو

نکاح ثانی

گھڑی گھرر گھرر کرکے بجی، دونوں نے ایک ساتھ نظریں اُٹھائیں۔ نوجوان عورت انگیٹھی کے سامنے بیٹھی ایک خط پڑھ رہی تھی، چھوٹی لڑکی، گڑیا کو بائیں ہاتھ میں لئے اور دائیں ہاتھ کی اُنگلی اردو کی پہلی کتاب کے ایک سطر پر رکھے، گڑیا کو وہ سبق جو خود اُسنے آج پڑھا تھا.... .... پڑھا رہی تھی: "کتا بھونکتا ہے.... بلی میاؤں میاؤں کرتی ہے۔ اونٹ بلبلاتا ہے".... دونوں کی آنکھیں ایک دم اُٹھیں اور گھڑی پر پڑیں۔ نوجوان عورت نے اپنے دل میں کہا: "لو، نو بج گئے" لڑکی نے گھڑی پر سے ماں کے چہرے پر نظر ڈالی، اور بات کے لئے بہانہ ڈھونڈھ کے کہنے لگی: "اماں جان، گھڑی نو دفعہ بجی نا؟"

ماں نے منہہ سے کچھ نہ کہہ سکے، مگر ذرا سر ہلا کے، گویا "ہاں" کہا۔ بچی نے تھوڑے سے تردد کے بعد پھر پوچھا: "ابا جان کا انتظار کب تک کرینگے؟"

ماں نے اس کا بھی جواب کچھ نہ دیا۔

ہاں انتظار کرینگے، ہمیشہ یوں ہی انتظار کرینگے۔ عورت نے کاغذ کو پھر اُٹھایا۔ آہ! اگر اب بھی آئے، اور نگاہ محبت سے اسے دیکھے تو وہ، اس گمنام، بے دستخط کے کاغذ کو پھاڑ ڈالے گی، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیگی، اور بالکل ضایع کر دینے کے لئے انگیٹھی میں ڈال کے راکھ کر دیگی، اُسپر یقین نہ کریگی اپنے شوہر کی بیوفائی کی اطلاع دینے والے کاغذ پر ذرا سا بھی یقین نہ کریگی۔

"یا اللہ کیا یہ ممکن ہے؟ تو یوں کہئے، یہ جو ہر دوسرے تیسرے رات رات بھر غائب ہو جایا کرتے ہیں؛ یہ سب بیوفائی کا نتیجہ ہے، یہ سب کسی بیوا کو دل دینے کے باعث ہے۔ یہ جو کہا جایا کرتا تھا، کہ آج کچہری کے فلاں دوست کے ہاں دعوت ہے، شاید رات کو نہ آسکوں؛ آج کمپنی باغ میں بینڈ سنتا رہا، اس لئے دیر ہو گئی، آج فلاں جگہ جلسہ تھا، اسلئے جلد نہ آسکا، یہ سب عذر جنہیں وہ یقین تو کیا کرتی تھی، مگر دھڑکتے ہوئے دل سے کہ کہیں جھوٹ نہ ہوں، یہ سب عذر جھوٹ ہی تھے، اور صرف یہ کاغذ، یہ ناپاک عبارت جو اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کی ہنسی اڑاتی معلوم ہوتی ہے، صحیح ہے؟"

یہ کاغذ! وہ تو اس کا نام، اُس کا کوٹھا، اور تمام تفصیلات تک بتاتا ہے کہتا ہے "اگر چاہو تحقیق کر لو" یعنی بالکل صحیح ہے؛ انکار کی مجال نہیں، اس کے جھوٹ ہونے کا احتمال نہیں؛ یہ خیال اُسے گویا شکنجہ میں دبا دیا کر پیسے ڈالتا تھا۔

اور اُسوقت، ایک منٹ میں گذشتہ واقعات، ماضی کے شیریں پردے کو ہٹا کے ایک دم اُس کے سامنے آکھڑے ہوئے: وہ باتیں، وہ عذر جو اُسنے اپنے شوہر کی زبان سے سنے تھے اور مان لئے تھے؛ وہ گوان واقعات جنہیں اُسنے تحمل کیا تھا اور بھول گئی تھی؛ وہ لڑائیاں جو نامعلوم کیوں اُن میں ہوئی تھیں، باوجودیکہ خود اُسنے کبھی اپنے شوہر سے لڑنے کا ارادہ نہیں کیا تھا؛ وہ تحقیریں اور چھوٹی چھوٹی اہانتیں جو اُسکی کی جاتی تھیں اور جنہیں وہ معاف کر چکی تھی اور بھول چکی تھی۔ یہ سب پردۂ ماضی سے نکلکر قطار در قطار سامنے آکھڑی ہوئیں، اور اپنے اصلی رنگ میں؛ اُس رنگ میں

جنہیں اُنہیں بھولنا، معاف کر دینا، برداشت کرنا ممکن نہ تھا، اپنے تئیں ظاہر کرنے لگیں۔

اور اس وقت وہ ان کے عذاب سے تنگ آکر، اور اُس کے جگر میں جو اختلاج پیدا ہوتا رہا تھا، اس سے مغلوب ہو کر اپنے ہاتھوں کو مل رہی ہے جسم تھرا رہا ہے۔ اپنی انگلیوں کو اس طرح اینٹھ رہی ہے گویا توڑ ڈالیگی؛ ہاتھوں کو اس طرح بڑھاتی ہے، گویا اپنے کندھوں سے اُکھاڑ دینا چاہتی ہے،

چلانے کے لئے، رونے کے لئے اُس کو بہت بڑی ضرورت محسوس ہوتی تھی، لیکن اس کاغذ پر یقین کرنا نہیں چاہتی تھی، یقین نہ کرنیکی کوشش کرتی تھی۔ اب اُسنے اپنی نگاہیں اس کاغذ پر سے اُٹھا کر، دیوار پر ڈالیں جہاں کچھ اونچے پر سایہ میں شوہر کی تصویر لگی ہوئی تھی؛ گویا اس چہرہ میں، اس اہانت، اس بیوفائی کے جھوٹ ہونے کی علامتیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اور اس وقت، چند منٹ میں اپنی بیاہی زندگی کو پھر دوبارہ لبسر کر گئی۔ اس کی بیاہی زندگی کے مرقعے اس طرح گذر گئے جس طرح کسی منبع سے مختلف رنگ کی روشنیاں کسی چیز پر یکے بعد دیگرے پڑیں۔ ان مرقعوں میں وہ چہرہ جو اُس کے مقابل تصویر میں ہنس رہا تھا، ہمیشہ ہوتا تھا۔

وہ پہلی رات؛ وہ اُس رات تو اُسے چاہتا تھا؛ وہ رات جب کہ وہ تمام تحسیات قلبی کے ساتھ اُس سے کانپ کانپ کر باتیں کر رہا تھا، اور وہ مارے شرم کے پریشان و لرزاں تھی اور اُس کے چہرے کو نہ دیکھتی تھی۔ اُس رات بلاشبہ وہ اُسے چاہتا تھا۔ ہاں صرف اُسے چاہتا تھا!

یہ بیچاری لڑکی، اُس رات، اُسے کنکھیوں سے دیکھ دیکھ کے، اُسکی

باتیں سن سن کے نہ دل سے یقین کر رہی تھی کہ یہ منور و مسعود رات، شبِ عشق ہو کر لیل وصال بنکر ہمیشہ قایم رہیگی؛ تا ابد ختم نہ ہوگی۔

اس کے بعد مرقع کا ایک اور صفحہ پیش نظر ہوا۔ ایک دن، صبح کا وقت تھا وہ سوتے سوتے یکایک جاگی۔ کیا دیکھتی ہے کہ وہ خواب سے بیدار ہے اُس کے قریب بیٹھا ہے؛ اور ایک الفت پاش مفتونیت سے آنکھیں اُس کے چہرے پر گاڑے ہوئے ہے۔ وہ سونے میں اس طرح دیکھے جانے سے لجائی؛ اور اپنی گھبراہٹ اور شرم کو چھپا نہ سکی کہ اتنے میں اُس نے اُس کے مونہہ کو جو حیرت سے کھل گیا تھا، ایک لمبے بوسے سے بند کر دیا۔ آہ یہ بوسے! لیکن اُس وقت تو زندگی بوسوں ہی میں گذرتی تھی۔ اُس زمانے میں تو وہ یہ خیال کرتی تھی کہ زندگی، ایک دائمی بوسۂ عشق ہے۔ یہانتک کہ ایک دن، ان بوسوں میں، ان بوسوں کے درمیان، اُس نے + زہر کا ایک گھونٹ چکھا کوئی سبب نہ تھا، کوئی وجہ بظاہر معلوم نہیں ہوتی تھی، کہ ایک دن اُسے اِن عشق کے بوسوں میں چھپی ہوئی ایک کھٹک محسوس ہوئی جس نے اُس کے قلب، اس کی روح تک جاکر ایک ضرب لگائی۔

بس اس وقت، اُس سیکنڈ سے اُسے ایک مبہم، غیر معنی ڈر نے ستانا شروع کر دیا۔ لیکن اگر یہ غیر معنی خوف، غیر معنی ہی رہتا، تو وہ ایک پر لطف خواب کی بے معنی گھبراہٹ پر حمل کر کے، اپنے دل کو دھوکا دے دے کر خوش رہتی۔ مگر یہ بھی نہ ہوا۔

ایک دن اتوار کا دن تھا۔ وہ گھر سے نکلتے وقت، اُس کی طرف نہ دیکھ کے یہ کہتا ہوا کہ "شائد میں آج دیر سے آؤں" جانا چاہتا تھا؛ (اسوقت بھی اُس کی نظروں میں وہ وقت اور مرقع پھر رہا ہے) جب اُس نے پوچھا

"کیوں؟" اور اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملانا چاہیں، تو اسے جھوٹ بولنے والوں کی مخصوص پریشانی کے ساتھ، اپنی چھتری کو لپیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا: "آج اتوار کا دن ہے، شاید دوستوں کے ساتھ سیر وغیرہ میں دیر ہو جائے" پہلا جھوٹ! اس پہلے جھوٹ پر یقین نہ کرسکنے کے لئے اُسنے تمام رات کوشش کی تھی؛ تمام رات اپنی طبیعت کو یہ یقین دلانیکی کوشش کرتی رہی تھی کہ یہ عذر جھوٹ نہ تھا؛ اور اس کوشش میں اس کی واپسی کے وقت تک آنکھ بھی نہیں جھپکائی تھی. آخر وہ واپس آیا، اس واپسی کے وقت، وہ اس کی زبان سے ایک کلمۂ تسلی، ایک حرف اعتذار سننے کی امید رکھتی تھی.

"تم ابتک سوئی نہیں؟"

"نہیں تمہارا انتظار کر رہی تھی"

اس جواب پر اگر وہ ایک حرف ہی کہتا - ایک حرف محبت! - تو اپنے اضطرابات کو وہ فوراً بھول جاتی، مگر اُس نے کچھ بھی نہ کہا. رات کے کپڑے جلد جلد پہنکے، پلنگ پر لیٹتے وقت اُس نے اُس کا بوسہ لیا تو، مگر اس بوسہ میں ایک اجتناب، ایک رکاوٹ ملی ہوئی تھی - پلنگ پر اس طرح گر پڑا گویا تھکن کے مارے اس کا تمام جسم ٹوٹ گیا ہے؛ اور یہ کہہ کے: "آؤ سو رہیں،، فوراً آنکھیں بند کر لیں اور سونے لگا. اس رات، رضائی میں مونہہ چھپا کے، کہ کہیں وہ نہ سن لے، وہ رات بھر چپکے چپکے روبا کی.

اس کے بعد بات بات پر اُس کا دل بھر آیا کرتا تھا، اور اُس کا خاوند بھی اُسے روتا دیکھتا تھا؛ اور اس کے رونے پر اپنی وحشت اور گھبراہٹ ظاہر کرتا تھا، اتنے اخلاق کا بھی استعمال نہ کرتا تھا، کہ اس وحشت کو

چھپانے کی کوشش کرتا۔ کبھی بلی کی طرح جو اپنے جسم کو آکر اپنے مالک سے ملاتی ہے، لیکن ذرا سی تکلیف پر پنجہ مارنے کے لیے طیار رہتی ہے، وہ اس سے کہتا: "دیکھو روؤ مت، میری جان پہلی کی طرح مجھے چاہتی ہونا؟ آنکھیں پونچھ ڈالو؛ ذرا آنکھوں سے آنکھیں تو ملاؤ۔ جاں ذرا ہنس تو دو،، پھر ذرا سی دیر میں بلی کی طرح، نرم پنجوں میں سے تیز ناخون نکالتا یعنی کہتا: بس، بس رونا بہت ہو گیا؛ اس بسورنے کو بند کرو، گھر کیا ہے امام باڑہ ہے۔ تم مجھے بالکل گھر سے نکال دو گی؟" یہ باتیں کب سنتی تھی؟ جب کنوارپن؛ بالپن کو پیچھے چھوڑے ہوئے صرف چھ ہی مہینے ہوئے تھے۔ چھ مہینے میں اس بیچاری عورت۔ جوان عورت کو رونے کے لئے کس قدر کافی وقت مل گیا تھا۔ نہ صرف یہ، بلکہ شوہر کو اس سے سیر ہونے، اور ان کلمات کے کہنے کا بھی وقت مل گیا تھا۔

ہائے وہ امیدیں! وہ کس طرح منقطع ہو گئیں! رہا سہا رشتۂ قلب اس کے اس آخری فقرہ نے "تم مجھے بالکل گھر سے نکال دو گی،، توڑ دیا۔ تو گویا وہ پہلے ہی اپنے تئیں گھر سے نکلا ہوا سمجھتا ہے، کہ یہ رونا "بالکل" گھر سے نکال دیگا! اس کے بعد، اس نے اس کے سامنے طبیعت کو روکنا شروع کیا؛ کبھی کبھی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے، لیکن وہ نہایت کوشش کر کے، پلکوں کو دبا کے، ان آنسوؤں کو نکلنے نہ دیتی ایک دن، وہ اس کے سامنے بھی طبیعت کو نہ روک سکی۔

وہ وہ دن تھا، کہ اس نے اسے خبر دی تھی کہ وہ اس سب سے اعلیٰ ہدیہ کو جو عورت اپنے خاوند کو پیش کر سکتی ہے، اٹھائے ہوئے ہے اور کچھ دنوں

میں پیش کریگی. اس خبر کو دیتے وقت، وہ سمجھتی تھی کہ مارے خوشی کے اچھل پڑیگا، اُس کے گلے سے لپٹ جائیگا. مگر وہ پتھر کی مورت کی طرح وہیں کا وہیں رہگیا، متحیر آنکھوں سے یوں دیکھنے لگا، گویا سمجھا نہیں + پھر کہنے لگا "مگر بہت جلد!" باپ بننے کی خوشبختی کی خبر پر پہلا کلمہ جو اُس کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا! حالانکہ قلبیاً اُس کا خاوند بُرا آدمی نہ تھا، اُس کا دل گواہی دیتا تھا، کہ وہ بُرا آدمی نہیں ہے، سخت دل نہیں ہے. پھر + اس قسم کے فقرے کیوں کہے جاتے ہیں؟ کیوں اُسے رُلایا جاتا ہے. کیا اُن کے درمیان کوئی راز ہے، کوئی غلط فہمی ہے؟

"بہت جلد!" اس طعن پر وہ اپنی طبیعت کو نہ روک سکی، اور رو پڑی؛ اس خیال سے معذب ہو کر رو پڑی، کہ لو ابتک میں اپنے تئیں اس سے نہ چھپا سکی! لیکن اس رات، وہ اس رونے پر غصہ نہ ہوا! بلکہ اپنے فقرے کے اثر کو گھٹانے کی کوشش کرتا رہا. "میں تو مذاق کرتا تھا، تم اسے سچ ہی سمجھ گئیں کہیں مذاق سے بھی انسان اس قدر متاثر ہوا کرتا ہے، واہ واہ! "علاوہ ازیں میں نے جو کہا، تمہارا ہی خیال کر کے کہا؛ ذرا سوچو تو، اگر لڑکی پیدا ہوئی، تو دس پندرہ برس کے بعد تم اور وہ دو بہنیں معلوم ہو نگی" اور یہ کہہ کہہ کے، اور اس کے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کے، اور بالوں کو چوم چوم کے، وہ گویا اُس سے معافی مانگتا تھا.

اُس نے اُسے معاف کر دیا. وہ ہمیشہ ہی معاف کر دیا کرتی تھی. ہمیشہ اُن شکر رنجیوں کو جو اُس غیر معنی شے، اس راز، اُس غلط فہمی سے پیدا ہوا کرتی تھیں وہ معاف کر دیا کرتی تھی.

لڑکی پیدا ہوئی؛ اور اس واقعہ نے ایک بڑی تبدیلی کر دی. اُسے

اپنے خاوند کو، زچگی کے پلنگ کے سرہانے روتا ہوا دیکھا یہ اپنی پچھلی حرکات پر ندامت کا رونا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ اُس نے خاوند کو روتے ہوئے دیکھا، یہ آنسو گویا، اُس بیچارہ کے سال بھر کے اضطرابات کو دھو رہے تھے، مٹا رہے تھے۔

اس کے بعد اُس کے خیال میں اچھی گذری، یا شاید یہ ہو کہ سال بھر تک جن باتوں کی وہ عادی نہ ہوئی تھی، اب اُنکی عادت پڑ گئی تھی، اور اس لئے اب دوستوں کی دعوتیں، سیر میں بہت دیر ہو جانا، اس کی توجہ کو اپنی طرف مائل نہ کرتے تھے، یہانتک کہ دعوتوں، اور تاخیر سیر میں آہستہ آہستہ تواتر پیدا ہونے لگا، پھر بھی اُس کے دل میں کچھ شبہ پیدا نہوا۔

اُف! آخر کار وہ عظیم واقعہ! جسکا خیال اُس کے آنکھوں کے سامنے، اُس کے خاوند کے غضبناک چہرے، اور آتش فشاں اور جگر سوز نظروں کی تصویر لاکے کھڑا کر دیتا ہے؛ اور یہ غضب اور یہ آتش فشانی کس لئے ہوئی تھی؟ محض اک چھوٹی سی بات پر۔ مگر لڑائی کے لئے ایک بہانہ تھا؛ اور اُس وقت وہ پاگلوں کی طرح ہذیان بکنے لگا تھا۔

جوان عورت، اس واقعہ کو یاد کرتے وقت، خیال میں بھی پُور نہیں کرتی۔ اُس کا غرور نسوانی، اُس واقعہ کا خیال آتے ہی، اُسے پُر قہر کر دیتا ہے، اور اس لئے کہ وہ مارے غصے کے کانپنے نہ لگے، وہ اس واقعہ کی یاد کو یوں ہی ادھورا چھوڑ دیتی ہے۔

یہ وہ واقعہ تھا کہ اُس پر اُس نے بھی کھلم کھلا اپنے خاوند سے اعلان جنگ کر دیا تھا اور اُس کی ناسزا باتوں کا ناسزا باتوں سے جواب دیا تھا۔ یہ لڑائی برسوں رہی۔

اس زمانہ میں، ایسے ایسے دن بھی آتے تھے، کہ وہ کئی کئی دن تک گھر نہ آتا تھا؛ ایسی راتیں بھی آئی تھیں؛ کہ وہ دونو ایک بستر میں لیٹے ہوتے تھے۔ مگر دو دشمنوں کی صفت سے لیٹے ہوتے تھے: دونوں موہنہ پھلائے ہوئے دونوں ایک دوسرے سے موہنہ پھیرے ہوئے؛ دونوں میں بات چیت بند! غرضیکہ اس زمانے میں دونوں دشمن تھے، لیکن، پھر بھی نوجوان عورت اسے اچھی طرح جانتی تھی، کہ جس زمانے میں وہ اس کی سخت دشمن تھی، اسی زمانے میں اس کی محبت دل میں بیٹھی ہوئی تھی؛ اور اس سے بھی واقف تھی کہ گو وہ اس زمانے میں اس کی تحقیر کرتا تھا؛ اسے ستاتا تھا، تاہم وہ اسے چاہتا تھا؛ اس کا اسیر محبت تھا۔

جب کیفیت یہ تھی؛ تو یہ زبون زندگی کیوں؟ کیوں دونوں کسی طرح خوش خوش زندگی بسر نہ کر سکتے تھے؟ کیوں ان میں یہ کشش، یہ لڑائی رہتی تھی؟ وہ اس سے نفرت کرنے کی کوشش کرتی، اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوتا تھا، کہ بالعکس وہ اپنے تئیں اس کی طرف مائل پاتی تھی۔ اگر وہ یہ مان لیتی، کہ یہ آدمی برا ہے، تو غالباً وہ اس سے نفرت کر سکتی۔ اگر وہ حقیقتاً بڑے دل کا آدمی تھا، تو ہر لڑائی، ہر شکر رنجی کے بعد ندامت کے ساتھ آنا، اور اپنے ہاتھوں میں اس کا موہنہ لیکے چومنا، اور نقل کو گدگدا کے ہنسانے کی کوشش کرنا، اور ہر طریقہ سے صلح کرنے کی ترکیبیں کرنا کیا معنے رکھتا تھا

اسی بڑی لڑائی کے بعد جو اتنی مدت تک رہی، لڑکی کے چیچک نکلنے پر بھی یہ ہی ہوا تھا؛ بچی کے بخار اترنے، اور دانے جھڑنے پر جو گھر میں ایک بڑے اندیشہ سے نجات پانے پر خوشی پھیلی ہوئی تھی؛ اس خوشی نے شوہر کو آخر کار اپنی بیوی کے آغوش میں گر کر معافی مانگنے پر

مجبور نہ کیا تھا؟

اگر وہ اچھا آدمی نہ ہوتا، تو بھلا یہ ہو سکتا تھا؟ اُس کی یگانہ تسلی اُسکے شوہر کی یہ صفت تھی۔ چھ برس سے، بُرے دنوں کو، لڑائی کے دنوں کو بھلا دینے والی صرف یہ صفت تھی۔ وہ کبھی یہ گماں نہ کرتی تھی، کہ ان واقعات کے ساتھ، ان واقعات کے باوجود بھی بیوفائی ہو سکتی ہے۔

ہاں اُس نے کبھی ایسے سوچا بھی نہ تھا، یا یہ کہنا چاہیئے کہ سوچنا چاہا بھی نہ تھا۔ اُسے بیوفائی سے پاک، معرا دیکھنے کی آرزو اس قدر شدید تھی کہ بیوفائی کے شبہ دلانے والی چیزوں کو بھی خاص کوشش کر کے ذہن سے نکال دیا کرتی تھی۔

اب نوجوان عورت غور سے دیکھنے کے لیئے آنکھوں کو کھول کے دیوار پر سایہ میں لٹکی ہوئی تصویر کو دیکھتی ہے، اور ایک نا اُمیدی کے لہجہ میں کہتی ہے: "آہ! یہ امید بھی جھوٹی امید ہے"

اُس کی پریشان آنکھیں تصویر کو دیکھ دیکھ کر اس پر مواخذہ سوال کو "تو تو بیوفا ہے؟" کہہ رہی تھیں۔ کاغذ گھٹنوں پر سے فرش پر گر پڑا تھا۔

بچی نے اس سے مطمئن ہو کر کہ گڑیا نے خوب اچھی طرح سبق یاد کر لیا، اپنے ننھے بازو پر سر رکھ کے، گویا بڑے فرض سے فارغ ہو کر، آرام سے سونا شروع کر دیا۔ گھڑی پہر ایک بڑی گھر گھراہٹ کے ساتھ بجی دس بجے۔

اب بھی نہیں آئیگا! مگر اب، ہاں اس دفعہ وہ نہ آنے کا سبب جانتی تھی۔ راتوں کو جو بیٹھ کے گھڑیوں انتظار کیا کرتی تھی، اور دوستوں کی صحبت میں دیر ہو جانے کا خیال کر کے اپنے دل کو دھوکا دیا کرتی تھی، آج کی

رات اپنے دل کو اس دھوکا دینے، اس طرح تسلی دینے کا موقع نہیں! اس جھوٹی تسلی کو بھی، ایک کاغذ کے ٹکڑے نے آکر اس سے چھین لیا۔

سڑک پر سے اک گاڑی کے گذرنے نے گھر کی کھڑکیوں کو ہلایا؛ بیچاری عورت نے بڑی اُمید سے جھلملی میں سے سڑک پر نظر ڈالی، شائد اس گاڑی میں وہ ہو مگر کوچوان نے گھوڑوں کو چابک ماری اور گاڑی تیزی کے ساتھ گذری چلی گئی۔

اُس وقت عورت نا امیدی اور عصبی غصّے سے کانپنے لگی، کاغذ کو زمین سے اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا، اور سوتی بچی کی کلائی پکڑ کر کہنا شروع کیا: "نہیں آئینگے، تمہارے ابا جان اب بھی نہیں آئینگے"؛ لڑکی نے آنکھ کھول کر حیرت سے ماں کا مونہہ تکنا شروع کیا، دیکھا کہ چہرہ اس قدر پریشان ہے، آنکھیں اس قدر جل رہی ہیں کہ وہ ڈر گئی؛ ادھر کلائی کے دبنے سے، اور اُس کے چھڑانے کی کوشش کرنے سے اُس کے ہونٹ بگڑ گئے۔ آخر اپنی ماں کی حالت، اور کلائی کے دبنے کی تکلیف سے وحشت زدہ ہو کر، اُس نے رونا شروع کر دیا۔ اس وقت نوجوان عورت بھی اُن آنسوؤں کو جنہیں وہ گھنٹوں سے روکے ہوئے تھے نہ روک سکی، اور بچی کو گود میں لیکر اور اپنے سینے سے بھینچکر اُس نے بھی سیل اشک جاری کر دیا؛ اور اس طرح ماں اور بیٹی مل مل کر، ماں سب جانے ہوئے، بیٹی نجانے ہوئے، اپنے شوہر، اور باپ کی غیبوبیت پر رو رہی تھیں۔

یہ پہلی رات نہ تھی کہ وہ اکیلی تھی۔ لیکن اور راتوں کو، ایک فراغت نفس کے ساتھ اس تنہائی کو کاٹ دیتی تھی؛ کیونکہ اپنے دل کو اس خیال سے

تسلی دیا کرتی تھی، کہ باوجود چڑچڑے مزاج ہونے کے وہ میر امفتون، میرا دلبند ہے، اور اب بھی آئیگا تو میرا مفتوں، میرا عاشق ہوکر واپس آئیگا. لیکن آج وہ تسلی کہاں، آج اُس تسلی کو اس ٹکڑے کاغذ نے کس بیرحمی کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا! لڑکی کی ہچکی بندھ گئی، تو اُسے ہوش آیا، اور اُسنے اپنی طبیعت یکسو کرکے، لڑکی کو تھپکا تھپکا کے سلانا چاہا. لڑکی سوگئی، اور اُس کے دماغ میں اس کاغذ کے واقعات نے پھر اکٹھا جمع ہونا شروع کر دیا. اب ایک عزم متین کے ساتھ وہ ایک کام کرنا چاہتی تھی، اس خوفناک حقیقت کے کھُلنے کے بعد، فوق البشر کوشش سے وہ ایک علاج ڈھونڈنا چاہتی تھی جو اس قسم کی زندگی سے جسے بسر کرنا ممکن نہ تھا اُسے رہائی دے اور پھر اس کی پہلی پر لطف، پر محبت زندگی واپس دے دے۔ اور یہ کام اس ضعف نسوانی، کے ذریعہ سے کرنا چاہتی تھی جو اب تک ہمیشہ زبون، اب تک ہمیشہ مغلوب ہی رہا تھا.

اس بات کا اُسے پورا یقین تھا کہ اُس کے دل میں اک مایہ نجابت ہے. وہ اسے بھی جانتی تھی، کہ کُل ماضی معہ اس خوفناک حقیقت کے ایک دہبہ ہے جو دھل سکتا ہے. محو ہو سکتا ہے، اور بیچاری دھوکے کھائی ہوئی عورت چاہتی تھی کہ اس خوفناک واقعہ کو بھی عفو کر دے، جیسا وہ اور واقعوں کو عفو کر چکی تھی، لیکن اسے بھول جانے کے لئے یہ ضرور تھا، کہ شوہر تماماً اس کا صرف اُس کا ہو جائے.

اب لڑکی کو تھپکاتے وقت کہہ رہی تھی: "آہ! وہ عورت۔ تو یوں کہنا چاہیئے کہ میرے خاوند پر مجھ سے اوّل اُسنے تصرف کیا، یوں کہنا چاہیئے کہ میرا خاوند مجھ سے زیادہ اُس سے متعلق ہے." اُس کا حوصلہ، لے

قبول نہ کرتا تھا۔ وہ گذشتہ چھ برس کی زندگی، جو باوجود اپنی تمام مصیبتوں کے، آج کی رات کے مقابلہ میں گویا پُر راحت زندگی تھی؛ اس کل زندگی میں وہ عورت شریک تھی! اس زندگی کا ایک حصہ، شائد بہتر حصہ، یقیناً بہتر حصہ، ایک بیسوا کے نصیب ہوا۔

وہ پیار جو اُس کے لئے ہونا چاہئے تھا، مگر نہیں ہوا، وہ بوسے جو اُسے ملنے چاہیے تھے، مگر نہیں ملے، وہ اُس دوسرے کو دے گئے! ہاں، ہاں وہ جو ایک دن ان بوسوں میں، ان بوسوں کے درمیان، اُسنے ایک زہر کا گھونٹ چکھا تھا وہ اس بیسوا کے ناپاک مونہہ کا بچا ہوا ایک قطرہ تھا! یہ خیال کرتے وقت اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا خود بھی ناپاک ہوگئی؛ اور خود اپنے سے اُسے نفرت ہونے لگی۔ اس آدمی نے، اس شوہر نے کیا کیا نہ کیا؟ اُس کے بستر سے نکل کے اسکے بستر میں آنا، اُن ہونٹوں سے جو اس کے مونہہ چومنے سے تر اور ناپاک تھے، اس کا ایک بوسہ لیکر، گویا ایک بوسہ صدقہ کرکے، اس کا مونہہ ناپاک کرنا؛ اُس کی رائحۂ حیات سے مست اور مدہوش ہوکر، اس کے پاس آنا، اور اس کے بالوں میں سر ڈالکے، مشام خیال سے، اُسی کو سونگھنا اس کے بازو پر سر رکھ کے سوتے وقت، خواب میں اُس کے ساتھ ایک ناتمام رہے ہوئے جلسۂ عاشقانہ کو دیکھنا! آہ! اس آدمی نے اس صاف و پاک نوجوان عورت کو، ایک بیسوا کا شریک بستر کرکے ملوث کر دیا تھا!

یا اللہ! کیوں وہ ایسا کرتا تھا؟ اگر حقیقت میں اُسے نہ چاہتا تھا تو پھر یہ بے توجہی، یہ اغفال کیوں؟ یہ ایک خطائے موقت، ایک

قضائے غفلت بھی نہ تھی۔ اسے، اس طرح برسوں سے دھوکا دے رہا ہے، برسوں سے یہ بیوفائی، یہ خیانت کر رہا ہے۔ اور یہ بچی؟ اس بیسوا کے عشق پر، صرف وہی نہیں، بلکہ یہ چھوٹا ننھا، فرشتہ بھی قربان کیا جا رہا ہے۔

یہ بچی بھی روز اپنے ابا کے آنے کا انتظار کرتی ہے، اور نہ آنیکا سبب نہیں جانتی۔ وہ پیار جو اس معصوم کا حصّہ تھا، وہ اسے نہیں ملتا۔ اک معصوم کا حق بھی غصب ہو رہا ہے۔ اس غصب پر کیوں اس نے کمر باندھ رکھی ہے۔

نہیں، نہیں، یہ حالت نہ رہنا چاہئے، نہ رہنے دی جائیگی، نہ رہیگی۔ ایک علاج ایک تدبیر جو ان تمام باتوں کو مٹا دے، ان تمام باتوں کو ایک بُری خواب کی یاد کی طرح چھوڑ جائے۔ آہ! کوئی تدبیر سوجھے، کوئی ایسی تدبیر کہ کارگر ہو۔

اس کے بعد، پھر اس کے بدن سے، یاس اور عجز کی وجہ سے طوفان اختلاج اُٹھا، اور سیل اشک بہانے لگا، اب اسے اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اپنی لڑکی پہ نظر ڈالے، رومال میں مونہہ چھپا کے آہستہ آہستہ رونے لگی۔

دوسرے دن، صبح اُٹھی اور تدبیر کو سوچے ہوئے اُٹھی اور اس تدبیر کو عمل میں لانیکا پورا ارادہ کئے ہوئے اُٹھی۔ گو آجتک کسی باعصمت عورت نے یہ نہیں کیا مگر وہ کریگی، اس خارق العادۃ کام کو کریگی یعنی جا کر اس بیسوا کی منت کریگی اور اس کا خاوند اسے واپس دیدینے کی التجا کریگی۔ اس کاغذ میں پتہ مفصل تحریر تھا، "چوک کی بڑی سڑک میں داہنے طرف

حلوائی کی دوکان کی بائیں طرف سے جو گلی پھٹتی ہے، اس میں چوتھا مکان، پیتل کے پتروں والے کواڑ کا دروازہ ....» ہا۔اس بڑی مصیبت میں اُس کے ساتھ ہمدردی کرنے والی،، تحقیق کر آئی تھی۔

(۲)

وہ آج کی صبح ابھی پوری بیداری بھی نہ ہوئی تھی؛ آنکھوں میں رات بھر دیر تک جاگنے سے مخموری چھائی ہوئی تھی وہ خلقت جو اس زمرہ کے متوسلین میں سے ہے، اپنے اپنے گھر چلی گئی تھی؛ یا زیادہ صحیح یہ کہ ابھی گھر سے واپس نہیں آئی تھی، اس کی گرگ باراں دیدیاں بھی کسی کام سے باہر تھی؛ صرف ایک خدمتگارنی گھر میں موجود تھی۔

خدمتگارنی نے اوپر جاکر، سونے کے کمرے کا کواڑ آدھا کھول کے کہا: «ایک بی بی برقع اوڑھے آئی ہیں، اور آپ سے ملنے کے لئے اصرار کررہی ہیں» اس خبر پر اُسے بہت حیرت ہوئی۔ اس نے، آہستہ سے، (کہ کہیں وہ جو پہلو میں سو رہا تھا جاگ نہ اُٹھے)، کہا: «برقع والی بی بی! مجھ سے ملنا چاہتی ہے؟»

اُسے یقین نہ آتا تھا، برقع والیاں بھی اُس سے ملنے آنے لگیں! اب تک تو کوئی برقع والی اُس کے ہاں آئی نہ تھی۔ پریشان بالوں کو جلد جلد سنوارتے ہوئے، آنکھوں کو ملتے ہوئے رومال سے مونہہ پونچھتے ہوئے (کیونکہ مونہہ دھونے کا وقت نہ تھا، ملگجے دوپٹے کو پھینک کر، ایک نیا تہہ کیا ہوا دوپٹہ اوڑھتے وقت اُس نے پھر خدمتگارنی پر ایک شبہ کی نظر، (ایک نظر جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اب تک یقین نہیں کرتی کہ حقیقتاً کوئی گھر والی بی بی اُس کے پاس آئی ہے)، ڈالی۔ کمرے میں سے پنجوں کے بل چل کے

وہ بیٹھک کے کمرے ہیں - اُس کمرے میں جس نے برقع والی بی بی ابتک نہ دیکھی تھی ـــ آئی - دیکھا ، حقیقتاً ایک برقع والی بیٹھی تھی ۔ بیٹھی تھی ، غلط قلم سے نکل گیا ، اس گھر میں بیٹھکر وہ اپنے کو ناپاک نہ کرنا چاہتی تھی ، گو محبت اُسے اس گھر کے ، گلا گھونٹنے والی ہوا میں سانس لینے پر مجبور کر رہی تھی ، تاہم پاؤں کے سوا اور کوئی عضو یہاں کی چیزوں کو نہ چھوئیگا ۔

اس نے اُس کی پذیرائی کے لئے ، بالوں کو ذرا سنوارنے دوپٹے کو الٹ پلٹ نے سے نہیں ، بلکہ باقاعدہ اوڑھنے کی ضرورت محسوس کی ۔ اسکے بعد آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہوئی ۔ نوجوان عورت نے جو ایک ہیکل مہیب عدالت بنی کھڑی تھی - اس وقت بُرقع اُٹھایا ! اور آسمان سے اُترنے والی ایک نگاہ عصمت سے ، اس بیسوا کو جس نے اُس کی زندگی کی خوشی کو برباد کر دیا تھا دیکھا ۔

یہ باوقار عورت جس کی ہر سانس ہر نظر ، ہر حرکت سے باعصمت بی بی اور ماں ہونے کی قدسی اور علوی صفت ظاہر ہو رہی تھی ، اس بیسوا کے مقابلہ میں کھڑی ہو کر اُس کی زندگی کی مذلت کو اور بڑھا رہی تھی ۔ وہ اس سے متاثر ہو کر پوچھنے لگی :

" آپ مجھے چاہتی نہیں ، بیگم صاحب ؟ "

اُس نے آنکھوں سے شرارے برسا کے ، بلا تردد جواب دیا :

" ہاں تمہارے ، نہیں توبہ ، برسوں سے مجھ سے چھینتے ہوئے خاوند کے لئے آئی ہوں " ، اس آواز میں ایک عزم آہنین کی قوت ، ایک حکم عدالت کی مہابت موجود تھی - ادہر والی فوراً سمجھ گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی : " اوہو ، یہ اُن کی بیوی ہیں ، لیکن حسین ہے ، ہرگز بُری نہیں " اب یہ دونوں

عورتیں ۔ جو ہر چیز سے پہلے عورتیں تھیں ۔ تیز نگاہوں سے ایک دوسرے کا معائنہ کر رہی تھیں۔

اُدھر والی، نے ایک نگاہ میں دیکھ لیا، کہ اس عورت میں جو اپنا خاوند مانگنے آئی ہے ایک حسن تھا، جو اس صف میں نہیں نظر آتا جس سے کہ وہ خود منسوب تھی؛ ایک علوی حسن تھا جو صرف عصمت دار عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے:

ایسی آواز سے جس سے ایک ادائے استہزا ظاہر ہوتی تھی اُس نے جواب دیا: "اپنے شوہر کو مجھ سے چاہتی ہو، مگر بی بی جان! آپ غلطی پر ہیں میں نے کسی کے شوہر کو ضبط نہیں کر لیا۔"

وہ اس جواب کی پہلے ہی سے متوقع تھی؛ اس کے سنتے ہی اُس نے تار باندھ دیا: "آخر اُس کی کیا ضرورت ہے؟ جھوٹ بولنے کی کوئی حاجت نہیں۔ میں تمسے یہاں لڑائی لڑنے نہیں آئی ہوں۔ یقین مانو تمسے بیر رکھنے کا بھی میں اپنے میں کوئی حق نہیں دیکھتی۔ میں جو آئی ہوں تو اسلئے کہ اب بھی شاید تمہارے دل میں وہ چیز باقی ہو جو ہم سب کا حصہ ہے۔ میں تمہیں تریاہٹ کا نہیں تریا پریم کا واسطہ دیتی ہوں سمجھتی ہو میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟ میں تم سے اپنا خاوند چھیننے نہیں آئی، کیونکہ اپنے میں اُس کی یہ قابلیت، نہ طاقت پاتی ہوں میں اُسے مانگنے آئی ہوں تمہاری ہتھیلی میں اس وقت ایک بہت بڑی چیز ہے، ایک گھر کا چین، ایک خاندان کا آرام، تمہاری ہتھیلی میں ہے۔ اُسے چاہے مسل دو، چاہے چھوڑ دو۔ ان آنکھوں کو جو چھ برس کے رونے سے تر ہو رہی ہیں تم سکھا سکتی ہو۔ اُس سے تمہارا علاقہ کیا ہے کس طرح شروع ہوا،

اب کس رنگ میں ہے۔ میں اس کا کھوج نہیں لگانا چاہتی۔ یہ جانتی ہوں کہ وہ اس وقت مجھ سے زیادہ تمہارا ہے۔ مجھ سی بھاگ کے تمہارے پاس آتا ہے۔ حالانکہ وہ میرا شوہر ہے، اُسے صرف میرا ہو کے رہنا چاہیے۔ میرے سوا، اُس پر کسی کا حق نہیں! میرے سوا، وہ کسی کی ملکیت نہیں، کسی کی امانت نہیں۔ تم عورت ذات ہو، تم عورت کے دل کی باتیں شاید سمجھ سکتی ہوگی؟ سمجھتی ہو نا؟ ہائے کہیں سمجھو۔ تمنے میرا شوہر لیکر مجھ سے کیا کیا لے لیا۔ گھر بھر کا امن "گھر بھر کا چین لے لیا۔ وہ کل رات اور بہت سی راتوں کی طرح یہاں تھا، اُسنے ساری رات شاید کیا یقیناً تمہارے ہاں گذاری، شاید تم جو مجھ سے ملنے اس کمرے میں آئیں، تو اُس کے پہلو سے اُٹھ کے آئیں۔ لیکن جانتی ہو کہ اُس کی بیوی نے یہ رات کیونکر کاٹی، یہی رات نہیں، اسی طرح کی اور سیکڑوں راتیں کس طرح کاٹیں جہنم میں انگاروں پر لوٹ لوٹ کر کاٹیں، میری پانچ برس کی لڑکی — ہاں سنتی ہو، میرے پاس پانچ برس کی ایک ننھی بھولی جان بھی ہے۔ وہ بھی رو رو کے، بابا کا انتظار کر کے سوئی ہے۔ البتہ تمہیں خبر نہیں، کہ گھر میں یہ کیفیت کیسی مصیبت کی کیفیت ہے اگر تم جانتی ہوتیں تو تم ضرور اُس سے کہتیں: "جاؤ میرے پاس سے جاؤ تمہارے گھر میں جو عورت تمہارا انتظار کر رہی ہے، جو بچی تمہارا انتظار کر رہی ہے اُس کے پاس جاؤ۔ میں اُن کے ملکنے کا سبب نہیں ہونا چاہتی"۔۔۔۔ جواب نہ دو، تمہاری آنکھوں کا نیچا ہونا ہی کافی جواب ہے۔ تم جس زندگی کاٹنے پر مجبور ہو، شاید اُس زندگی نے بھی تمہاری طبیعت کو بالکل مسخ نہ کر دیا ہوگا کیونکہ تم عورت ہو، اور عورت سے عورت پن کب جا سکتا ہے۔ ہر عورت کی طبیعت بیوی بننے، ماں

بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ مجھے یہاں تک لانے والی، تمہاری خوشامد کرانے والی چیز، یعنی بچے کی محبت شاید تم میں بھی ہو۔"

یہ کہتے کہتے اُس پر رقت طاری ہونے لگی، اور وہ یہ بھول گئی کہ وہ ایک فاحشہ کے مقابلہ میں ہے، اور طبیعت پر قابو میں ذرا سی کمی آنے لگی، آواز میں باوجود بے انتہا ضبط کے کچھ بھرا ہٹ پیدا ہو گئی؛ فقرے دل میں چشمے کی طرح اُبل رہے تھے؛ وہ کم کہنا چاہتی تھی، مگر زیادہ کہہ رہی تھی۔ اُدھر والی، اس پرجوش، پرخروش دلی تقریر کے سامنے چپ کھڑی تھی، اور نہیں جانتی تھی کہ کیا جواب دے! کبھی کبھی "لیکن میں" "مگر وہ" سے کچھ فقرہ شروع کرنا چاہتی؛ مگر اس بدبخت بیوی کے مقابلہ میں جو اُس کے سامنے اپنے تمام عذاب زندگی کے ساتھ فریاد قلب کر رہی تھی کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔

ایک دم، یہ مغلوبیت اُس کے نفس پر گراں گذری۔ اس عورت کے سامنے اپنے تئیں مقابلہ سے عاجز دیکھ کر، اس عصمت کے حضور میں اپنی ذلت فحش کو بداہتاً محسوس کر کے، اُس کے دل میں ایک طغیان غرور اُٹھا، اور اُس قلب میں جس میں ذرا کی ذرا کو عورت پن کی حیات، مرحمت اور رقت پیدا ہوئی تھیں یکایک تمام حیات فاحشہ جاگ اُٹھی۔ اور اس نے اس حس سے مغلوب ہو کر، اس عورت کو جو اُس آدمی کی اس قدر فریفتہ معلوم ہوتی تھی حقارت آمیز جواب دینے کا ارادہ کر لیا اور کہا:

سبحان اللہ آپکی بھی نرالی باتیں ہیں۔ مجھ سے آکر اپنا خاوند مانگتی ہو، اگر ایسی ہی ضرورت ہے، تو اُسے پکڑ کے رکھنے، اپنا کر کے رکھنے کی تدبیر کیوں نہیں سوچتیں۔"

نوجوان عورت نے دیکھا کہ سامنے والی اب وہ عورت نہیں جسمیں جس نسوانی پیدا ہو رہا تھا، بلکہ اب وہ ایک عورت ہے جو ایک فاحشہ کی صفت سے متصف ہو کر لڑائی لڑنا چاہتی ہے۔ اُس نے ذرا اونچی آواز سے جواب دیا:

"مجھ سے پہلے تم نے اُسے اپنا کر لیا تھا، اپنے ساتھ باندھ لیا تھا؟ پھر کیوں پوری محافظت نہ کی۔ کیوں اسے اجازت دی کہ وہ جا کر ایک جوان لڑکی کی زندگی تباہ کر دے۔ تمہیں اُسے پکڑ کے رکھنا چاہئے تھا۔ نہ اُسے پکڑ کے رکھتی ہو نہ چھوڑ دیتی ہو۔ میں اپنے میں اتنی قوت نہیں پاتی۔ وہ چلتر نہیں جانتی کہ اُسے تمہارے پنجوں سے چھڑا لوں۔"

اُدھر والی، اب کونے میں سے ایک موڑھا کھینچکر، اُس پر بیٹھ گئی اور پاؤں پر پاؤں رکھ کے اُنہیں ہلانا شروع کیا، اور ایک مستہزی اور بے امان نظر سے نوجوان عورت کو دیکھنے لگی۔ ایک دو منٹ تک خاموشی طاری رہی؛ دونوں سوچ رہے تھے کہ ان باتوں کا انجام کیا ہوگا، کہ اتنے میں موڑھے والی نے پوچھا:

"تو اب میں کیا کروں؛ ہر شام بیگم صاحب کے گھر، اُنکے شوہر کو ہاتھ پکڑ کے پہونچا آیا کروں؟"

اس نے اس طعنہ، اس تحقیر پر بھی صبر کیا؛ ایک مرتبہ پھر اُس کی نیکی طبیعت (اگر اُس میں نیکی طبیعت رہ جانے کا احتمال باقی ہو) سے اپیل کرنے کا ارادہ کیا:

"کیوں یوں مجھپر فقرے کستی ہو۔ میں نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ تم سے لڑنے نہیں آئی ہوں۔ میں جو تم سے مانگتی ہوں، جو تم سے امید رکھتی ہوں

وہ ایک سادی سی بات ہے تم اُس آدمی کو چاہتی نہیں، یا کیسے کہوں، وہ بھی تمہاری لئے اور بہت سے آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہے! وہ بھی انہیں سے ایک ہے جس سے تمہارے گھر کا خرچ نکلتا ہے اور بس۔"

اس پر یکایک وہ غصہ میں آگئی اور کہنے لگی: "میرے گھر میں آکر، مجھ کو ایسی باتیں سناتی ہو، میری ہتک کرتی ہو، این"

فاحشہ تو غصہ کے لئے ایک بہانہ ڈھونڈھ رہی تھی، "باتیں سناتی ہو، میری ہتک کرتی ہو" پر ہی اُس نے بس نہیں کیا۔ بلکہ اور بھی بہت کچھ کہہ ڈالا؛ نوجوان عورت ابتک اپنی متانت قایم رکھے تھی لیکن اب وہ ہاتھ سی چھوٹی جاتی تھی؛ اور وہ بھی دلی غصہ سے کانپ رہی تھی، اور اُس کا دل چاہتا تھا (مگر دل کو روکتی تھی)، کہ اس بیحیا عورت پر جو اپنی عادت دیرینہ کے موافق، بغیر سوچے سمجھے اپنے سینے سے دوپٹہ ہٹاتے ہوئے، اول قول بک رہی تھی، حملہ کرکے مونڈھے پر سے گرا دے لیکن طبیعت پر جبر کئے ہوئے خاموش کھڑی سن رہی تھی۔ اتنے میں دیکھا کہ خود وہ اٹھی اور اُس سے ہاتھا پائی کرنی چاہتی ہے؛ اس کو دیکھکر اُس کا عزم صمیم بکل جاتا رہا، اور اُس نے اونچی آواز سے کہا:

"ہاں ہاں، میں تمہیں تمہارے گھر میں ایسی باتیں سناتی ہوں، تمہاری ہتک کرتی ہوں، جانتی ہو غیر عصمت والی بی بیوں، محبت والی ماؤں کی لعنتیں بد دعائیں پڑتی ہیں۔ تم جو گھروں کے چین، بی بیوں کے آرام کی دشمن ہو، تم جو ہمارے خاوندوں کو ہم سے چرا لیتی ہو۔۔۔۔" یہ کہتی ہوئی کانپ رہی ہے، اور اپنی خلل زندگی کا انتقام اس فاحشہ کی تحقیر کرنے، اُسے سخت سخت باتیں سنانے سے لینا چاہتی ہے۔ اب اُدھر والی بھی مارے

غصہ کے پاگل سی ہوگئی: دوپٹہ بدن سے اُتار کر پھینک دیا، اور اُس پر حملہ کرنے کے لئے ایک قدم آگے ڈالا، مگر صرف ایک قدم؛ دوسرا قدم ڈالنا چاہتی ہی تھی کہ پیچھے سے فوری ہاتھوں نے اُس کے کندھوں کو پکڑ لیا:

اس وقت اِن دونوں عورتوں نے اُسے دیکھا.

وہ تھوڑی دیر سے، وہاں، کواڑ کے پیچھے کھڑا سن رہا تھا. اس بیس منٹ کی زمانہ نے، اُس پر تزکیہ نفس و تصفیۂ حیات کے لئے برسوں کی ریاضت کا کام دیا. اول اُسنے اپنی نوجوان بیوی کو۔ اُس بیوی کو جس کے آنسوؤں کے نشان ابتک اُس کے رُخساروں پر تھے جس کا صرف غمگین چہرہ کھلا ہوا تھا، باقی لمبا، متناسب الاعضا، لطیف اور شرمیلا جسم برقع میں چھپا ہوا تھا۔ دیکھا، پھر فوراً نظر اُس دوسری پر پڑی، جو بالوں کو بکھیرے، باسی مونہہ اور مخمور مگر پھٹی آنکھیں لئے، ملگجی کرتی جو اوپر کو چڑھ گئی تھی، پہنے اس جسم کو ظاہر کر رہی تھی جس کے رگ رگ سے حسیات ملوث افشا ہو رہے تھے، اور جس کی تمام ہیئت کذائی سے گویا بوئے فحش کے بھپکے نکل رہے تھے. ان دونوں کو مقابل دیکھکر ان دونوں کا فرق اُس کی آنکھوں میں چبھ گیا: ایک پاک و لطیف، دوسری کثیف و ملوث؛ ہم جسماً ہم اخلاقاً ملوث!

پھر اپنی بیوی کے آواز کی رقت میں وہ ایک اولے استرحام پاتا تھا جو دل کو مسلے ڈالتی تھی؛ اُس دوسری کی آواز میں بے انصافی استہزا گستاخی جرأت چھپی ہوئی تھی جس کو سن کے وجدان نفرت کرتا تھا. اور اُسے ایسا جوش آیا کہ اُسے تھپڑ مار کے گرا دے، اور اس کے قدموں پر گر پڑے. اللہ کی پناہ! اس عورت، اس مقدس اور محترم فرشتۂ سعادت کو

کس پر قربان کر رہا تھا، کس کے لئے ستا رہا تھا؟ ایک فرسودہ ملوث، مخلوق کے لئے جو سیکڑوں آغوشوں میں جاکر، متاعِ عشق اور جنسِ حسن بیچتی تھی۔

ایک منٹ میں وہ آنسوؤں کے دریا جو اُس کی وجہ سے بھی اُس کی نظروں کے سامنے سے گذر گئے۔ وہ تمام بے انصافیاں جو اُس نے اپنی بیاہتا کے ساتھ کی تھیں، اُس کی ضمیر پر برچھی کی طرح آکر لگیں۔ اب قلباً اپنے تئیں اِس سے کس قدر مربوط، اور اُس سے کس قدر دور پارہا ہے! جب یہ بات ہے، تو اب تک کونسی چیز مانع ہے؟ بس انشاءاللہ ایک پھلانگ میں اپنے تئیں اس قعرِ مذلت سے نکال کر، اپنی زندگی اپنی بیوی بچوں کے لئے وقف کر دیگا، اور اُس کے پاؤں پر سر رکھدے گا۔

یہ سوچ ہی رہا تھا، کہ دیکھا کہ فاحشہ اُس کی بیوی پر ہاتھ چھوڑنا چاہتی ہے۔ یہ دیکھتے ہی دُنیا، اُس کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی؛ وہ بجلی کی تیزی کے ساتھ کواڑ کھول کے کمرے میں در آیا، اور اپنے آہنیں پنجوں سے اُس کے کندھوں کو پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

اور پھر ایک ذرا سا جھٹکا دے کے اُسے اور اُس کے ساتھ اُس کی محبت کو اپنے سے دُور پھینک دیا؛ اور پھر اپنی بیوی کے پاس جاکر اُسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ اور ایک نگاہ استرحام کے ساتھ جسمیں آج کے دن تک کی تمام قصوروں کے لئے طلب عفو آکر جمع ہو گئی تھی، اُس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا:

"میری خطاؤں کو معاف کر دو، میں صرف تمہیں چاہتا ہوں، میں صرف تمہارا ہوں اور تمہارا ہو کے رہونگا"۔

اور پھر اُس کے چہرے کو جس پر دو آنسوؤں کے قطرے۔ دو قطرہ

سعادت - ڈھلک رہے تھے، اپنی طرف کھینچکے، اپنے ہونٹ اُس کے ہونٹوں پر رکھدئے،

اور جبکہ وہ فاحشہ اپنے غصہ اور حسد کو ایک کہیانی ہنسی سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی؛ اس بیاہے جوڑے نے - جنکے درمیان ابتک ایک سرد مہری کی دیوار حائل تھی جسے وہ ہٹا نہ سکتے تھے - پاک، صاف، محبت بھرا بوسہ لیکر گویا دوسری مرتبہ نکاح کیا؛ اور وہ پیماں وفا باندھا جو اب عمر بھر تک نہ ٹوٹیگا یہ بوسہ اس پیمان وفا کی مہر تھا۔

سجاد حیدر

آنریبل جسٹس شاہ دین صاحب خان بہادر - جج چیف کورٹ پنجاب جن کی تصویر آج زیب اوراقِ مخزن ہے - ہمارے ملک کے اُن ممتاز اور سربرآوردہ لوگوں میں ہیں - جن کی ذات پر اہل ملک جس قدر ناز کریں بجا ہے - اُن کی خداداد لیاقت مسلّمہ اور اُن کی فصاحت اور خوش بیانی مشہور ہے - لیکن اُن کی کثیر التعداد صفات میں سے جس صفت سے ہمیں اس موقعہ پر بحث ہے - زبان اُردو کی قدردانی ہے - بخلاف اپنے اکثر ہمسروں کے وہ اردو علم ادب کو دوست رکھتے ہیں - اور اساتذہ نظم و نثر کی کتابوں سے واقف ہیں بہت دفعہ اوقاتِ فرصت میں اردو کی کتاب سے دل بہلاتے ہیں - اور جو کوشش لغات اردو کی توسیع اور ادب اردو کی ترقی کیلئے ہو - اس کی امداد اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں - مخزن کو نہ صرف یہ عزت حاصل ہے کہ جسٹس موصوف اس کے اولین خریداروں میں ہیں - بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ اُن کا کلام منظوم کئی دفعہ مخزن میں شائع ہو چکا ہے - اور باوجود مصروفیت کے کبھی کبھی اس کے لئے وقت نکالتے رہتے ہیں - ہم ان کی ہمدردی اور حوصلہ افزائی کا دلی اعتراف کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ترقی مدارج کے اعلےٰ رتبے طے کرنیکے ساتھ وہ اپنے شوق علم ادب کو بھی قائم رکھیں گے - اور اردو کے ساتھ انکی دلچسپی روز بروز بڑھے گی -

قبور دہلی کی سرگذشت

گذشتہ اشاعت سے آگے

قبروں کی مرمت کے تغیرات

مسلمان قبروں کی مرمت کرانے کو ثواب سمجھتے ہیں۔ جب متمول مسلمان اپنے عزیز و اقارب کی نئی قبریں بنواتے تھے تو اُن کے آس پاس کی قبروں کی شکست ریخت کی مرمت کرانے کو ثواب سمجھتے تھے۔ اس لئے پرانی قبریں بھی نئی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ کچی قبریں ڈھئی دھنسی شکستہ کمتر نظر آتی تھیں اس لئے قبرستان مسلمانوں کی وجاہت ثروت و تہذیب و شائستگی پر دلالت کرتے تھے اب وہ انکی فلاکت و نکبت پر شہادت دیتے ہیں کہ انمیں بے شمار کچی قبریں ڈھئی دھنسی پڑی ہیں جن کے کھلے ہوئے منہ دیکھنے سے دل دکھتا ہے۔ جو کچھ قبریں بنتی ہیں وہ پہلی کچی قبروں کی برابر پختہ نہیں ہوتیں آج بنیں کل ڈھئیں غرض قبرستانوں میں کوئی قطعہ اب ایسا خوش نما نظر نہیں آتا جیسا وہ غدر سے پہلے نظر آتا تھا

گورفروشوں اور گورکنوں کی حالت میں تغیرات

پہلے بھی گورکن کفن چور ہوتے تھے مگر اب افلاس نے ان کی تعداد کو ایسا بڑھا دیا ہے کہ وہ بہت مُردوں کو گور میں بے کفن کرتے ہیں اور اس کفن ہی سے اپنا اور اپنے کنبے کا تن بدن ڈھکتے ہیں۔ رات کو وہ قبر میں نقب دے کر

یہ چوری کرتے ہیں مُردوں کے اس مال کے چرائے جانیکی رپورٹ بھی پولس میں نہیں ہوسکتی - قبروں کے کفن چُرانے کے جرم کو کسی کفن چور پر ثابت نہیں کرسکتے - کفن چور تو مُردوں کا کفن چرا کے برہنہ کرتے ہیں مگر اُن پر خاک ڈال کے پردہ ڈھک دیتے ہیں - لیکن گورفروش اس خاک کے پردہ کو بھی اُٹھا دیتے ہیں قبروں میں سے مُردوں کی ہڈیوں کو نکال کر اپنے چولھے کا ایندھن بناتے ہیں اور خالی قبروں کے دام کھرے کرتے ہیں - ایک ایک قبر میں کئی کئی مُردے دفن کرتے ہیں - مُردوں کی جتنی تعداد بڑھتی ہے اتنی وہ قبروں کی تعداد نہیں بڑھنے دیتے - پہلے قبروں پر سیم وزر جوہر و گوہر نہیں لگاتے تھے کہ انکو چوروں کے ہاتھ سے بچانے کے لئے چوکی پہرہ کی ضرورت ہوتی تھی اب لوگوں کو یہ خوف سنگ مرمر کے تعویذ لگانے میں ہوگیا ہے مساجد سے بھی کفن کرایہ کا مردوں کو ملنے لگا ہے جو پہلے بہت کم سننے میں آتا تھا

مرنے سے پہلے قبروں کے بنوانیکے تغیرات

غدر سے پہلے یہ دستور تھا کہ بعض خوش حال و عاقبت اندیش مسلمان اپنی زندگی میں زمین کا کوئی قطعہ کسی بزرگ کے مزار پاس یا کسی پرفضا میدان میں یا دل کشا باغ میں بہت قیمت دیکر خریدتے اور یہ سمجھ کر کہ یہاں ہم کو ہمیشہ رہنا ہوگا اس کو آراستہ پیراستہ کراتے درخت لگواتے اسکو چمنستان بنواتے - مرنے تو بھلا کیا قبرستان کے درختوں سے فائدہ اُٹھاتے ہونگے مگر ان سے زندوں کو یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ درخت قبرستان کی ہوا میں سے زہریلے بخارات چوس کر اس کو پاک صاف کردیتے تھے اور شاعر سفید قبروں کے گرد سبز درخت اور شگفتہ گل دیکھ کر مردوں کے باب میں شگفتہ مضامین پیدا کرتے تھے -

ان قطعات زمین میں وہ اپنے مردوں بڑے تکلفات کے بنواتے اُن کے چاروں طرف سنگین چوکے لگواتے - وہ یہ سمجھتے تھے کہ جیسی آفتاب کی تپش ہمکو زندگی میں تکلیف دیتی ہے ایسے مرنے کی بعد بھی قبر میں تکلیف دیگی اس لئے وہ قبروں کے گرد درختوں کے ہونے کو اپنی خوش نصیبی جانتے تھے اور کسی بزرگ کے پاس قبر کے بنوانے کو تخفیف عذاب یا باعث مغفرت سمجھتے تھے زندگی میں قبر کا بنوانا اُن کو موت یاد دلاتا رہتا تھا - یہ بھی خیال تھا کہ اُنکے مرنے کی بعد قبر کے بنوانے کے لیئے وارثوں کو حیرانی و پریشانی نہیں ہوتی تھی اور وہ بے پروائی سے مردہ کو کسی ایسی ویسی جگہ دفن نہیں کرتے تھے - مردہ کے جنازہ کے قبر تک لے جانے میں بھی توقف نہیں ہوتا تھا -

پہلے بھی اور اب بھی مسلمان ایسے وہمی بھی ہیں کہ وہ زندگی میں قبر بنوانے کو بدشگونی و نحس جانتے ہیں - یہ اُن کو وہم ہوتا ہے کہ اگر ہم پہلے سے کوئی قبر بنائینگے تو ضرور کوئی عزیز ہمارا لخت جگر مرجائیگا اور اس میں دفن ہوگا -

مجھے اس وقت وہ آزاد منش زندہ دل مسلمان یاد آرہے ہیں کہ اپنی حیات میں قبریں بنواتے تھے اور ہنس ہنس کر کہتے تھے کہ یہ قبریں ہم نے اپنے دفن ہونے کیلئے نہیں بنوائیں بلکہ انہیں موت کے خیال کو دفن کرنے کے لئے بنوایا ہے تاکہ حیات جاوید کے مزے آئیں اور خوب گلچھرے اُڑائیں دن عید رات شب برات منائیں یہ باتیں تو بنانے کی ہیں کہ زندگی میں قبریں اس لئے بناتے ہیں کہ موت کو یاد دلائے یا موت کو بھلائے حقیقت میں اس کا بنانا اپنے مرنے کے بعد نشانی اپنی مرضی کے موافق بنانا ہے - بھلا موت کس کو یاد آتی ہے ہر شخص اپنے کام اس طرح کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ جیئے گا -

قبروں کی عزت میں تغیرات

دنیا میں یہ قاعدہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ آدمی کی دولت کے سبب سے بیجا عزت کی جاتی ہے مرنے کے بعد بھی اُن کی قبروں کی عزت ہوتی ہے اگر ان میں انکی دولت کے نشان پائے جاتے ہیں یعنی اُن کی عمارت میں تکلفات پائے جاتے ہیں لیکن قبروں کے اینٹ پتھروں کی ٹیپ ٹاپ آدمی کی یادگار قابل عزت نہیں بلکہ اس کے نیک اعمال اور اچھے افعال زیادہ عمدہ یادگار قابل عزت ہیں بزرگوں کی قبروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ غدر سے پہلے دونوں قسم کی قبریں بہت نظر آتی تھیں مگر اب ان کی تعداد بہت کم ہو گئی ہیں اکثر وہ ملیا میٹ ہو کر زمین کے برابر ہو گئیں۔ ہم قبرستانوں کا ذکر ختم کر کے شہر کے اندر اور باہر مزاروں کا بیان کرتے ہیں۔

شہر کے اندر بزرگوں کے مزاروں کے تغیرات

شہر کے اندر چھ مزاروں کے حال میں تغیر ہوا ہے وہ جدا جدا بیان کیا جاتا ہے باقی حال بدستور ہے یہ سنکر سب کو تعجب ہو گا کہ غدر نے مسلمانوں کی جانوں پر اور اُن کے مکانوں پر انکے مساجد اور معابد پر قیامت برپا کی مگر بزرگوں کے مزاروں کا بال بیکا نہیں کیا۔ مساجد کو یعنے خدا کے گھروں کو ڈھا ڈھو کر خاک میں ملایا مگر اُن کے اندر جو مزار تھے اُن کی ایک اینٹ کو نہیں ہلایا بلکہ پہلے سے اُن کی حالت کو بہتر بنا دیا۔ عوام الناس تو انکو کرامات اولیا سمجھتے ہیں لیکن اس وقت میں بزرگوں کی کسی کرامت کو دخل نہ تھا۔ سرکار انگریزی اپنی ضرورتوں کے سبب سے جہاں ہموار میدان بنانا چاہتی تھی وہاں مساجد کی عمارات تو اس ہمواری کی ناہمواری

پیدا کرتی تھیں اس لیے مسمار ہو کر ہموار ہوتی تھیں لیکن بزرگوں کی قبریں تو پہلے ہی سے خاک نشین تھیں وہ میدان کی ہمواری میں کیا ناہمواری پیدا کرتیں اس لئے کدال پھاوڑے سے بچ رہیں - سوا اس کے سب مذہبوں میں قبروں کا مسمار کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے - بعض ملکوں میں تو وہ ایسا بُرا سمجھا جاتا ہے اگر کوئی مرد کسی شخص کی قبر کو ناحق اکھیڑ کر پھینک دے تو عورتیں اسے نکاح کرنے میں استکراہ کرتی ہیں - مردہ کو تو قبر کے ڈہانے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی مگر جو زندہ اس کو بے ضرورت ڈھاتا ہے وہ اپنا منہہ کالا کرتا ہے - سرکار عالی وقار جو عقل و دانش کی پتلی ہے وہ کیوں مزاروں کو ناحق ڈھا کر مسلمانوں کی دل شکنی اور خاطر آزاری کرتی اور اپنے اوپر کلنگ کا ٹیکا لگاتی -

شاہ آبادانی کا مزار

کاغذی محلہ میں ایک سیدھی سادی مسجد میں شاہ آبادانی کا مزار تھا سارا محلہ اور مسجد دونو مسمار ہوئے مگر مزار محلہ و مسجد کی قید سے نکل کر ایک کھلے میدان میں آگیا وہاں اب بھی وہ اپنی کرامت دکھاتا ہے کہ شاہ صاحب کے عرس کے دن انکے خانزادہ کے مریدوں کو بلاتا ہے قوالی کی مجلس جما کر ایک رات دن چھوٹا سا میلا دکھا دیتا ہے - افسوس ہے کہ غدر سے پہلے اس کے پاس ایک کنواں بڑا سرد و شیریں شہر میں مشہور تھا اب بھی وہ ہے مگر کوئی اُسپر پانی نہیں بھرتا - کیا پہلے اسپر وہ بھیڑ رہتی تھی کہ پانی بھرنے کا وار نہیں آتا تھا یا اب اُسپر ڈول رسی بھی نظر نہیں آتی

شاہ حکیم اللہ جہان آبادی کا مزار

خانم کے بازار میں ایک مسجد کے اندر صحن میں ایک برج کے نیچے یہ مزار تھا

جنکے عرس میں بادشاہان دہلی بھی شریک ہوتے تھے یہ بازار و برج و مسجد تو بے نام و نشاں ہوئے لیکن مزار اپنے سر پر سے یہ بوجھ اُتار کر نہایت پر فضا میدان میں رونق افروز ہوا جسکی ایک طرف دنیا کی بے نظیر جامع مسجد اپنی یکتائی کے جلوے دکھا رہی ہے اور دوسری طرف قلعہ معلے کی فصیل بہار دکھاتی ہے اس کے سامنے ڈفرن ہوسپٹل اور وکٹوریا زنانہ ہوسپٹل کی دل کشا عمارات ہیں - پہلے مزار کے گرد بھدا سا بیڈول برج تھا اب اس کے گرد آہنی کٹہر سبز رنگ اور سفید چونہ ہے - پہلے اس مزار کے پاس گائے قصابوں کا بازار تھا جس کے سبب سے کوئی ہندو مزار پر نہیں آتا تھا اب اس میدان میں بہت سے ہندو پاؤں سے جوتیاں اُتار کر سر جھکاتے ہیں اور سواری سے اُتر کر سلام کرتے ہیں -

شاہ سرمد اور ہرے بھرے کے مزار

غدر سے پہلے شاہ سرمد اور ہرے بھرے کے مزار ایک بد نما چار دیواری کے اندر تھے جس کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے تھے غدر کے بعد خاص بازار کے ساتھ یہ چار دیواری منہدم ہوئی جس کے سبب سے دونو مزار خوش فضا میدان میں آگئے - شاہ سرمد کا مزار شاہ جہان کی مسجد کے نیچے انتہار دے رہا ہے کہ عالم گیر نے جب مجھے قتل کیا تھا ویسا خدا نے تیمور کی اولاد کو قتل کیا ان مزاروں کے گرد سرخ سبز کٹہرے لگے ہوئے ہیں قبر پوش ان ہی رنگوں کے پڑے رہتے ہیں - انکے تعویذ چونے کے ایسے سفید ہیں کہ سنگ مرمر کے معلوم ہوتے ہیں - مٹھائیوں کے دونے چڑھتے ہیں - جمعرات کو گھی کے چراغ انپر جلتے ہیں مشکیں ان کے گرد چھڑکی جاتی ہیں

بسنت کا میلا بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے جو غدر سے پہلے نہیں ہوتا تھا۔ انبر نیم کے درخت ہیں جنکے نیچے ایک تعویذ گنڈا کرنے والا بھی بیٹھتا ہے دھیلی بارہ آنے روز کما کے لے جاتا ہے۔ شاہ سرمد کی قبر شہادت کا جامہ سرخ اور شاہ ہرے بھرے کی قبر سبز جامہ پہنے رہتے ہیں۔ غرض جو رونق ان مزاروں پر اب رہتی ہے وہ پہلے نہیں رہتی تھی۔

مرزا جان جاناں و شاہ غلام علی کے مزار

یہ دونوں مزار شاہ ترکمان کے دروازہ کے پاس ایک خانقاہ بنی ہے اس خانقاہ کی عمارت تو پہلے سے اچھی بن گئی ہے مگر جیسے وہ پہلے فقیروں درویشوں سے آباد رہتی تھی اب نہیں رہتی۔ سجادہ نشین نے یہ ایجاد کیا ہے کہ خانقاہ کے دروازہ پر پہرہ بٹھا دیا ہے کہ نہ مسجد میں نماز کے لیئے نہ مزاروں کی زیارت کے لئے بغیر انکی اجازت کے کوئی آنے پائے۔ وہ پہلے کی نسبت ویران رہتی ہے مسلمانوں میں یہ اخلاقی جرأت نہیں کہ شرع کے حکم سے سجادہ نشین کے حکم کو منسوخ کرادے۔

میاں صابر بخش کا مزار

یہ مزار دریا گنج میں تھا اور اس کے ساتھ امام باڑہ اور باغ و مسجد تھے چھاؤنی کے سبب سے باغ تو اجڑ گیا مگر امام باڑہ اور مسجد و مزار پہلے سے زیادہ عمدہ اور اچھے بن گئے ہیں پہلے سے زیادہ رونق اس میں ہو گئی ہے۔ نظام حیدر آباد نے ایک مہمان سرائے بھی بنوا دی ہے شہر میں بعض قبریں سید کا تھان بنی ہوئی جن پر جمعرات کو پھولوں کے سہرے چڑھتے تھے اُن کا

تو اب سارے شہر میں پتا نہیں قلعہ کے نیچے گھوڑے شاہ کی قبر تھی۔ جسپر گھوڑے سے جو لوگ گرتے تھے اُن کے اچھے ہونے کا یہ بھی ایک علاج تھا کہ وہ اس قبر پر چادر چڑھاتے تھے۔ وہ اب قلعہ کے پشتہ میں بہت اونچے گھوڑے پر سوار معلوم ہوتی ہے۔

شہر کے باہر مزاروں کے تغیرات

غدر کے بعد چند ہی مزار ایسے ہیں کہ جنکی عمارات میں کچھ تغیر ہوا ہے اس پچاس برس میں چند ہی ایسے بزرگوں نے انتقال کیا ہے کہ اُن کے قبروں پر انکا عرس ہوتا ہے اور اس روز سے اتنک چھوٹا سا میلا لگتا ہے ان بزرگوں کی قبروں پر کسی چھوٹی سی عمارت کا بھی نہ بنا دہلی کے مسلمانوں کے افلاس پر دلالت کرتا ہے جن بزرگوں کی قبریں باہر ہیں وہ یہ ہیں شہر سے باہر دو میل کے فاصلہ پر موضع بالس کولی میں شیخ عبدالسلام کی حضرت سلیم چشتی کی اولاد میں سے ہیں۔ قدم شریف میں خسرو شاہ کی اور خواجہ باقی باللہ میں اخوند صاحب کی

خواجہ باقی باللہ کا مزار

شہر کے باہر لاہوری دروازہ سے تھوڑی دور پر یہ مزار ہے پہلے اس کی مسجد ایک دالان کی تھی جس کے ستون سنگ ابری کے تھے اب حاجی پنجابی تاجر نے اس مسجد میں پہلے دالان کے پیچھے ایک اور دالان بنوا دیا جسکے ستون نقلی سنگ ابری کے ایسے ہیں کہ وہ اصلی معلوم ہوتے ہیں اور تقاوہ نیا بنا دیا ہے۔ چھت کو منقش کرا دیا ہے اخوند شاہ محمد عمر ہر جمعرات کو یہاں ختم قرآن پڑھواتے ہیں۔ مسجد کو گھنٹے اور شیشہ کی ہانڈیوں سے آراستہ

رکھتے ہیں اب یہ مسجد ایسی آباد رہتی ہے جیسے کہ شہر کی مسجدیں۔

قطب صاحب کا مزار

یہ مزار بے سقف دیوار کے ہے اب اس کے گرد سنگ چار ستون خان بہادر محمد اکرام اللہ آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ نے ایستادہ کرائے ہیں اور درگاہ کے صحن میں جو چونہ کا فرش تھا وہ سنگ سرخ کے چوکوں کا بنوا دیا ہے۔ ستونوں کے اوپر لال ٹینوں کی روشنی ہوتی ہے اور انکے نیچے مزار کے اوپر شامیانہ تنا جاتا ہے۔

سلطان نظام الدین کا مزار اور حضرت امیر خسرو کا مزار

شہر کے دلی دروازہ کے باہر میل کے فاصلہ پر یہ مزار ہے جس کی خوشنما عمارت کی چھت بہت بوسیدہ و کہنہ ہو گئی تھی اس کو نیک نہاد مسٹر کلارک سابق ڈپٹی کمشنر دہلی نے اپنی گرہ سے تین ہزار روپیہ خرچ کر کے از سر نو ایسا ہی بنوا دیا جیسے کہ وہ پہلے تھی اور خادموں کو منع کر دیا تھا کہ ہمارا نام نہ لینا کہ یہ چھت ہم نے بنوائی ہے مگر ان کے مرنے کے بعد یہ بات چھپ نہ سکی۔ خادم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت کی کرامت تھی کہ انہوں نے ایک انگریز کے دل پر اپنا ایسا تصرف کیا کہ اس نے اپنی جیب خاص سے تین ہزار روپیہ خرچ کر کے چھت بنوا دی۔ اور حضرت نے اس کی تمنا دلی جلدی سے یہ پوری کرا دی کہ ڈپٹی کمشنر سے کمشنر اس کو کرا دیا۔ بعض غیر تمند مسلمان یہ سنکر یا دیکھ کر روتے ہیں کہ ہماری غیرت و حمیت کہاں اڑ گئی کہ اپنے بزرگوں کے اور ولیوں کے مزاروں کی مرمت عیسائیوں سے کراتے ہیں۔

اسی مزار کے پاس حضرت امیر خسرو کا مزار ہے اس کی عمارت میں تو فرق نہیں آیا مگر اس پر ایک رسم کے ادا کرنے میں فرق آگیا ہے کہ غدر سے پہلے شہر کی طوائفوں میں سے جو نیا طائفہ بنا ہوتا تھا وہ سب سے اول اس مزار پر اپنا مجرا کرتا تھا اور اس کو اپنے پیشہ میں خیر و برکت کا سبب سمجھتا اب اس رسم کی پابندی نہیں رہی۔

غدر سے پہلے ان مزاروں پر ہر مہینے منگل و بدھ کو کچھ آدمی جمع ہوتے اور قوالی ہوتی اب یہ مجلس نہیں ہوتی مگر اس سبب سے کہ اب یہ مجلس نہیں ہوتی مگر اس سبب سے کہ اب یہاں دہلی اور متھرا کی ریل کا ایک سٹیشن بنگیا ہے بحساب اوسط پندرہ بیس آدمی روز زیارت کو آتے ہیں۔ مہینے کا پہلا منگل بدھ ہر روز ہو گیا ہے کہ آدمیوں کا جم گھٹ لگا رہتا ہے غدر سے پہلے جیسے عابد زاہد اس مزار کی جاروب کشی سے استفادہ حاصل کرتے تھے اب بھی کرتے ہیں۔ کوئی برس روز رہتا ہے کوئی دو برس کوئی ہمیشہ۔

روشن چراغ دہلی کا مزار

یہ وہ مزار ہے جس کے سبب سے دہلی بائیس خواجوں کی چوکھٹ مشہور ہے یعنی وہ خرقہ معراج اس میں دفن ہے جو آنحضرت صلعم سے ان تک بائیس خواجوں نے پہنا تھا اور بعد اس کے پھر کسی نے نہیں پہنا وہ قبر میں دفن ہو گیا۔ خورشید جاہ امیر حیدر آباد نے ایک کٹہرہ کا اضافہ کر دیا ہے۔

باقی مزار

سید حسن رسول نما کا مزار بدستور ہے نہ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے۔

خواجہ میر درد کی مزار پر شکستگی کے آثار نمودار ہوتے جاتے ہیں یا غیچے اُس کے باقی نہیں رہے۔ شاہ ولی اللہ اور اُن کے خاندان کے مزارات جس مسجد میں تھے اُس میں وہ پہلے کی نسبت اچھی صورت کے ہو گئے ہیں۔

اور تغیّرات

غدر سے پہلے جن بزرگوں کے عرسوں میں بادشاہ شریک ہوتا تھا اُن میں بڑی رونق ہو جاتی تھی اب وہ رونق تو نہیں ہوتی مگر ہجوم خلائق پہلے کی نسبت اس سبب سے زیادہ ہوتا ہے کہ ریلوں میں آمد و رفت بہت آسان ہو گئی ہے دُور دور سے آدمی آجاتے ہیں اور ظاہری صورت انکی پہلے سے اچھی معلوم ہوتی ہے مگر جو بزرگ عالم باطنی کے سیر کرنے والے ہیں وہ اس ظاہری حالت کی سرسبزی کو جسم بے جاں جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان مجالس عرس میں جو کیفیتیں اور حالتیں پہلے پیدا ہوتی تھیں وہ اب نہیں پیدا ہوتیں شہر میں غدر کے بعد سے علم موسیقی کا جو صوفیوں کی جان ہے بہت تنزل ہو گیا ہے قوال جیسے پہلے صاحب جمال اور اپنے فن میں ذی کمال ہوتے تھے وہ اب ڈھونڈے نہیں ملتے۔ انمیں حسن صورت ہے نہ حسن سیرت جو صوفیوں کو وجد و حال میں لائیں۔ قوال کنگال اور کریہہ الصوت ہیں ان مزاروں میں پہلے عابد و زاہد گوشہ نشیں ہو کر بڑی ریاضتیں اور عبادتیں کرتے تھے گو اب اُس کی نقل اتاری جاتی ہے مگر انمیں وہ اصلی بات نہیں جو پہلے تھی۔ معلوم نہیں کہ واقعی یہ بات ہے یا دستور کے موافق کہی جاتی ہے کہ پہلے زمانہ کی جتنی باتیں تھیں وہ اچھی تھیں ایسی اب نہیں ہیں۔

(باقی آئندہ)

ذکا اللہ

طلبائے علیگڈھ کالج کے نام

کلامِ اقبال علیگڈھ میں ہمیشہ سے مقبول ہوا اور شوق و توجہ سے پڑھا جاتا رہا ہے مگر "پیامِ اقبال" جو ہم آج شائع کرتے ہیں - نہایت ہی غور سے پڑھے جانے کے لائق ہے - طلبائے علیگڈھ کو خصوصیت سے مخاطب کرنے کی یہ وجہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کی آیندہ امّیدیں بہت کچھ اُن کے ساتھ وابستہ ہیں - ورنہ سب پڑھے لکھے نوجوان اس دردمندانہ مشورہ کے مخاطب ہو سکتے ہیں - جو حضرتِ اقبال نے ان چند اشعار کے جامع الفاظ اور بلیغ اشارات میں انہیں دیا ہے :-

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
غربت کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

مرغانِ زیرِ دام کے ہنگامے سُن چکے ہو تم
یہ بھی سُنو کہ نالۂ طائرِ بام اور ہے

مستور رہے درونِ جام پرتوِ مے برونِ جام
اس کا مقام اور ہے اُس کا مقام اور ہے

یوں تو پلانے آتے ہیں محفل کو ساقیانِ ہند
لیکن انہیں خبر نہیں یہ تشنہ کام اور ہے

جس بزم کی بساط ہو سرحدِ چین سے مصر تک
ساقی ہو اُس کا اور ہی مَے اور جام اور ہے

تمکین جو ہے سکوں سے ہے آتی تھی کوہ سے صدا
کہتا تھا مورِ ناتواں لطفِ خرام اور ہے

اے بزمِ دورِ آخری! کس کی تلاش ہے تجھے؟
تو سمجھ حجاز ہے تیرا امام اور ہے

جذبِ حرم کے بل پہ ہے انجمِ قم کا قیام
یثرب کے آفتاب کا یعنی نظام اور ہے

باقی ہو زندگی میں کیا ذوقِ نمو اگر نہ ہو
حرکتِ آدمی ہو اور حرکتِ جام اور ہے

شمعِ سحر یہ کہہ گئی ہے ساز زندگی کا سوز
اس محفلِ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

فانوس کی طرح جیو آتش بہ پیرہن رہو
اے جلنے والو! لذتِ سوزِ تمام اور ہے

عجلت کرو نہ مے کشو بادہ ہی نارسا ابھی
رہنے دو خُم کے سر پہ تم خشتِ کلیسیا ابھی

(محمد اقبال)

علی گڈھ کالج سے رخصت

مسٹر محمد علی صاحب بی۔ اے (اکسفورڈ) کے نام سے اخبار بین دُنیا بخوبی واقف ہی۔ انگریزی زباندانی میں اُن کی قابلیت مسلّمہ ہے اور اُنکی تحریر و تقریر دونوں پُرزور ہیں۔ مگر ہمیں یہ دیکھکر مسرت ہُوئی۔ کہ انگریزی میں اعلیٰ قابلیت حاصل کرنے کے باوجود انہیں اپنی زبان کی طرف بھی توجہ ہی اُنہوں نے ایک اُردو نظم ہمین بھیجی ہی۔ جسے ہم خوشی سے چھاپتے ہیں اور اُمّید کرتے ہیں کہ وُہ مضامینِ نثر کے ذریعے بھی اپنے خیالات سے ہمیں مستفید فرمائینگے۔ صاحب موصُوف جوہر تخلّص کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل تمہیدی جملوں سے معلوم ہوجائیگا۔ کہ یہ کلام زمانہ طالب علمی کی یادگار اور جذباتِ دلی کا اظہار ہے۔ وُہ لکھتے ہیں :-

"آجکل کے مشغلے شعر و سخن کی فرصت کب دیتے ہیں ؎ فکرِ دُنیا میں سر کھپاتا ہوں۔ مَیں کہاں اور یہ وبال کہاں + البتہ آٹھ برس ہُوئے کبھی کبھی فکرِ شعر بھی ہوجاتی تھی۔ اس کے بدلے اب فکرِ دُنیا ملی ہے پُرانے کاغذات میں سے چند شعر مِل گئے ہیں جو علیگڈھ کالج چھوڑکر ولایت جانے کے وقت بے اختیار دل سے نکل آئے تھے۔ جن باتوں کا اندیشہ ہی اندیشہ اُسوقت تھا وُہ اب بمنزلہ تجربہ کے ہوگئی ہیں مگر جو دُعا اُسوقت

منہ سے نکلی تھی دعا اب تک وردِ دل اور وردِ زبان ہے"۔
(جوہر)

دم بھر کی جسے فرصت یہ چرخ ستمگر دے — وہ شخص تو البتہ یاں عیش منائیگا
صحبت سے اگر اپنے اوروں کو کریگا خوش — احباب کی صحبت کا کچھ لطف اٹھائیگا
اصرار سے اوروں کے گہ توڑ کے تقویٰ کو — میخانہ کی صحبت کا ایک جام چڑھائیگا
گاہے مے گلگوں سے دو ایک سبو بھر کر — خود پیر مغاں بنکر اوروں کو پلائیگا
گر پچھلے زمانے کا چھڑ جائے کہیں قصہ — اوروں کی سنیگا کچھ۔ کچھ اپنی سنائیگا
صحبت میں اگر انکی بھولیگا کچھ اپنے غم — کچھ رنج و محن ان کے بھی دل سے مٹائیگا
لیکن جسے طے کرنا ہو صبح کو ایک منزل — اس شخص کا محفل میں کیوں دل نہ بھر آئیگا
کس طرح سے صحبت سے محظوظ ہو اسکا دل — احباب سے کل جس کو یہ چرخ چھٹائیگا
ہو گونجتی کانوں میں آوازِ جرس جس کے — وہ اپنی کتھا اوروں کو خاک سنائیگا
ساقی کی ظرافت سے مسرور ہو وہ کیونکر — پو پھٹتے ہی جس بیکس کا قافلہ جائیگا
مے ہووے کہ نغمہ ہو فرصت میں ہیں سب اچھے — دم بھر کا جو مہماں ہو کیا لطف اٹھائیگا
ہم جاتے ہیں اے کالج پر یاد رہے اتنا — یاد آئیگی جب تیری تو خوں رلائے گا
اس بلبل بیکس کو جو قید قفس میں ہو — کیا اس کو گل و گلشن پھر یاد نہ آئیگا
دل رکھتے ہو اے یارو تو کہو خدا لگتی — کیا تم سے الگ رہنا کچھ دل نہ دکھائیگا
سیکھی تھی محبت جو یاں آٹھ برس رہکر — جوہر اسے کس طرح پھر دل سے بھلائیگا
جس حال میں ہم ہونگے ایک حشر بپا ہوگا — ایامِ گذشتہ کا کچھ دھیان جب آئیگا
کالج کے لئے لیکن نکلیگی دعا دل سے — ہر بار زباں پر یہ مطلع مگر آئے گا

کیا بادہ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
داتا رکھے آباد اے ساقی تری محفل کو

مامتا

(از مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی)

بیخبر ماں! تجھ کو اُس بچے کی بھی ہے کچھ خبر؟ گود میں تیری ہمکتا تھا جو کل تک بار بار
گوری گوری اُسکی وُہ رنگت وُہ مکھڑا چاند سا اور وُہ صُورت اسکی جس پر راتدن تھی تو نثار
کل بلائیں لیتی تھی تو دیکھ کر اندازِ خواب آج کیوں آتا نہیں سونے پہ اُس کے تجھ کو پیار
اُف وُہ دہشت ناک جنگل اور اندھیاری رات آہ وُہ معصوم بچّہ اور وُہ کُنج مزار
لے خبر لے دیکھ ڈر جائے نہ وُہ بچّہ کہیں کیا اُسے آغوش میں لینا ہے تیرا ننگ و عار
گیسوؤں میں جس کے کنگھی تو نہ کرتی تھی اگر رات بھر رہتا تھا مثلِ زلف تجھ کو انتشار
مُو پریشاں خاک بر سر دیکھ کر اب غم نہیں مجھ پہ اس جمعیتِ خاطر کا کر رمز آشکار
کیا ہُوئی وُہ تیری اُلفت کیا ہُوئی وُہ مامتا کیوں نہیں اس کے لئے دل آج تیرا بیقرار
سیکڑوں صدقے اُتارا کرتی تھی تو رات دِن آنکھ بھر کے دیکھنا جسکو تھا تجھ کو ناگوار
اپنے سینہ سے لگا کر تو سلاتی تھی جسے آج وُہ ہے اور اِک کُنجِ لحد تاریک و تار
آج لیٹے ہیں اُسی میں چند کیڑے قبر کے جس گلے میں تو نے پہنائے تھے تعویذوں کے ہار
ہڈیوں کا ایک ڈھانچا ہی اُٹا سب خاک میں ہائے وہ پیکر جو کل تک تھا ترے زیب کنار
جب تیری آواز سُنتا تھا مچل جاتا تھا وُہ اب وُہ ہے اور خامشی تو چاہے لاکھ اسکو پکار
اِک اشارے سے کسی کے ہو گئی ہے آج بند اُس کی وُہ آواز جو تھی رشکِ صوتِ ہزار
جسکو پہنایا تھا تو نے جامۂ گلدوزِ گل آج اُس کے تن پہ کیڑوں نے کئے نقش و نگار

زندگی میں تو ہر اک عیب و ہنر پہ تھی نظر
دیکھ لے یہ حال بھی جا کر بچشمِ اعتبار

فرقت کی رات

(از احمد حسین خان صاحب بی اے ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال فیلو اٹس سوسائٹی لنڈن)

یہ شبِ فرقت بھی کیسی رات ہے — ایک میں ہوں اور خدا کی ذات ہے
کس قدر تاریک ہے اندھیر ہے — رات ہے یا پردۂ ظلمات ہے
ہول آتا ہے در و دیوار سے — ہو نہ ہو یہ لشکرِ آفات ہے
کیوں ڈراتی ہیں مجھے پرچھائیاں — رات ہے یا سایۂ جنّات ہے
ہائے میری نیند کو کیا ہو گیا — کالے کوسوں پر گئی ہیہات ہے
سینکڑوں کانٹے مرے بستر میں ہیں — ہائے کیا اسرار ہے کیا بات ہے
میں تو گنتے گنتے گھڑیاں تھک گیا — کیا قیامت سے بھی لمبی رات ہے
چین اب آتا کسی کروٹ نہیں — کس مصیبت میں بسر اوقات ہے
درد دل میں اور کلیجے میں جلن — اور وحشت مجھ کو ساری رات ہے
آدھی دُنیا سو رہی ہے چین سے — میرا سینہ مرجعِ آفات ہے
ہائے اشکوں کی نہیں تھمتی جھڑی — میری آنکھوں میں چھپی برسات ہے
ہائے بیچینی قلق اور اضطراب — درد میٹھا میٹھا ساری رات ہے
میرا تکیہ بن گیا سنگِ مزار — یہ عذابِ قبر ہے یا رات ہے
کیسے وہموں میں پڑا رہتا ہوں میں — زہر لگتی اب کسی کی بات ہے
آہ سینے میں مرے اِک آگ ہے — نارِ دوزخ جس کے آگے مات ہے
ہائے مایوسی دباتی ہے گلا — دم نکل جائے تو اچھی بات ہے
رنج و حرماں جان کھاتے ہیں الگ — دیکھئے - کیا کیا دکھاتی رات ہے

بار حسرت سے ہوا جینا محال
کوہِ غم لے کر گھڑی یہ رات ہے

کوئی دیکھے تو گھڑی کیا وقت ہے
کتنی گذری کتنی باقی رات ہے

ہائے کب اس رات کی ہوگی سحر
یہ عذابِ نزع ہے یا رات ہے

ہُو کا عالم اور اُداسی چار سو
اس پہ طرہ یہ کہ کالی رات ہے

گھر سے نکل کے دیکھو

دُنیا کو اک ذرا سا گھر سے نکل کے دیکھو
ہر ملک کا تماشا گھر سے نکل کے دیکھو

کیا چیز ہے سفر بھی یہ فتح کا ظفر کا
بے شبہ ہی وسیلہ گھر سے نکل کے دیکھو

جاپان کی ترقی اللہ رے ترقی!
یہ سیر یہ تماشا گھر سے نکل کے دیکھو

عالم کی سیرگاہیں کس کے لئے ہیں آخر
مانو بھی میرا کہنا گھر سے نکل کے دیکھو

ہر ملک کی ترقی ہر عہد کی حکومت
ہے وقت کا تقاضا گھر سے نکل کے دیکھو

دُنیا بدل گئی ہی عالم بدل گیا ہے
کیا ہو گیا زمانہ گھر سے نکل کے دیکھو

سیر و سیاحت اب تو اک امر لازمی ہے
یہ ہی صلاح زیبا گھر سے نکل کے دیکھو

کیا کیا ترقیوں کے اسباب ہیں جہاں میں
ایک ایک کارخانہ گھر سے نکل کے دیکھو

جنت ہو یا جہنم دُنیا میں کیا نہیں ہے
جھوٹا ہوں میں کہ سچا گھر سے نکل کے دیکھو

کیا ہو رہا ہی عالم کیا ہو رہے ہیں نقشے
کیا ہو رہی ہی دنیا گھر سے نکل کے دیکھو

گوشے میں بیٹھ رہنا حبِ وطن نہیں ہے
سر سے نکالو سودا گھر سے نکل کے دیکھو

فی الوحدۃ السلامہ کا وقت یہ نہیں ہے
جانے دو عذرِ بیجا گھر سے نکل کے دیکھو

علمی سوسائٹی ہیں اسلامی انجمن میں
ہیں اختلاف کیا کیا گھر سے نکل کے دیکھو

بیکار نہ بیٹھے نسیم کچھ بھی ہوگا
رنگِ بہارِ دنیا گھر سے نکل کے دیکھو

"نسیم ابو العلائی عظیم آبادی"
(از ڈھاکہ)

کلامِ ثاقب

اس مرتبہ بمبئی میں چند ایسے باکمالوں کی صحبت میسّر آئی کہ اُس کے سبب یہ دو تین دن جو لندن سے واپس آتے ہوئے وہاں گذرے۔ کبھی نہ بھولینگے جناب مولوی نجم الدین احمد صاحب ثاقب بدایونی کا نام ان حضرات میں خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ انہوں نے اپنا کلام سُنایا۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ مخزن کو فراموش نہ کیجئے گا۔ اُنہوں نے بڑی فیاضی سے وُہ کاغذ جو اُن کے ہاتھ میں تھا مجھے عنائت کر دیا۔ اور آئندہ یاد رکھنے کا وعدہ کیا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل غزلوں سے واضح ہوگا۔ آپ غزل میں ایک انداز خاص کو نباہتے ہیں۔ اور وہ انداز ان کا حصہ ہے۔ جناب ثاقب کو تاریخ گوئی سے بہت مناسبت ہے۔ چنانچہ میرے رخصت ہونے پر اُنہوں نے برجستہ یہ چار مصرعے پڑھے۔ جن میں سے چوتھا مصرعہ سنہ انگریزی کا مادہ تاریخ ہے۔ فرماتے ہیں :-

عبدِ قادر جو بمبئی سے چلے ۔ بولے سب اہلِ فن خدا حافظ
بے تکلف کہا یہ ثاقب نے ۔ جائیے ۔ مہرباں ۔ خدا حافظ
۱۹۰۷ء

در کعبہ ہے تو دل قبلہ نما ہے میرا
دل میں جو پردہ نشیں ہے وُہ خدا ہے میرا

بُت بھی ناراض مقدر بھی خفا ہے میرا
بے بسی میں ہُوں اب اور ایک خدا ہے میرا

لن ترانی تو نئی بات نہیں کوئی کلیم
کان دھر کر کبھی افسانہ سُنا ہے میرا

شورِ ناقوس ہو یا بانگِ اذاں کوئی ہو
پیشرو صُوتِ آوازہ درا ہے میرا

جب چلا ہوں ترے کوچے میں تو اللہ رے شوق
مجھ سے کچھ آگے ہی سایہ بھی چلا ہے میرا

داستاں رشک کی یا قصۂ وصل و ہجراں
جو فسانہ ہے غرض درد بھرا ہے میرا

پاؤں پھسلا جو رہِ شوق میں تھک کر بیٹھا
خود مرا نقشِ قدم راہنما ہے میرا

بیخودی اپنی خودی ہے تو سرور اپنا خمار
رنگ ہر رنگ میں عالم سے جدا ہے میرا

بند ہو آنکھ جو دم بھر تو حقیقت کھل جائے
خارِ صحرائے جنوں عقدہ کشا ہے میرا

جو ملا مجھ کو ملا اس کے درِ میخانے سے
بندۂ عشق ہوں میں عشق خدا ہے میرا

اُنکا فرمان ۔ پیامی کی زباں ۔ ٹھیک درست
برہمن ۔ بُت ۔ نہ پیمبر نہ خدا ہے میرا

در پہ کس بُت کے خدا جانے دعا ہو مقبول
آج کعبے سے مصلّے تو اُٹھا ہے میرا

ہر قدم اُس سے اُلجھتے ہیں سرِ پائے جنوں
اب تو سایہ بھی گرفتارِ بلا ہے میرا

فرد سے عشقِ بتاں کی تو نکالا لیکن
نام اب کونسے دفتر میں لکھا ہے میرا

دم کے ہمراہ گئے حسرت و ارماں ثاقب
قافلہ خضر کے ہاتھوں سے لٹا ہے میرا

خدائی میں بتوں کی نام جس کا خانہ ویراں تھا
اُسی وحشت زدہ دل کے کسی پہلو میں ایماں تھا

شبِ غم میرے نالوں سے تلاطم تھا نہ طوفاں تھا
غلط ۔ الزام ۔ تہمت ۔ افترا ۔ بے بود ۔ بہتاں تھا

بدن میں جان تھی پوشیدہ جبتک دل میں ارماں تھا
جسے ہم چور سمجھے تھے وہی اپنا نگہباں تھا

ہوا دل لیکے غائب وہ فرشتہ تھا کہ انساں تھا
کدھر تھا کون تھا کیا تھا کہاں تھا کس کا مہماں تھا

بھلا ہو اے خیالِ یار تو نے بات تو پوچھی
وگرنہ ہم غریبوں کا جہاں میں کون پرساں تھا

بسر بھی ہو تو کس کی آس پر اب روزِ تنہائی
بڑا صبحِ قیامت کا سہارا شامِ ہجراں تھا

یہ کیا ہے آج کیوں دلبستگی سی ہوتی جاتی ہے
کسی کے دشمنوں کا حال کل تک تو پریشاں تھا

دھوئیں نے میری آہوں کے کیا گھٹ گھٹ کے بند آخر
جو اک باریک سا روزن سرِ دیوارِ زنداں تھا

ہوا باندھی ہے اب مجنوں کی آہوں نے جہاں لیلیٰ ہمارے دم سے بھی آباد اک دن وہ بیاباں تھا
فسانہ وصل کی شب کا نہ پوچھو مجھ سے ہمراز و کبھی بھولا ہوا سا یاد اک خوابِ پریشاں تھا
ملی دولت بڑھی غفلت بنے محتاج غیروں کے جہاں تک ہاتھ خالی تھا خدا خود میر ساماں تھا
زمانے کی روش ہر ہر قدم پر مجھ سے کہتی ہے یہاں گنجِ شہیداں تھا یہاں گورِ غریباں تھا
فرشتے آ گئے ہیں دم میں ان زہرا جبینوں کے مرا قاصد پیمبر کیوں نہ ہو آخر تو انساں تھا
لحد میں دم مرا گھٹتا نہ کیونکر اے عدم والو اندھیری رات تھی پہلا سفر تھا کنجِ زنداں تھا
جو کہتا ہوں کہاں چھپ کر رہا بیدید نظروں سے ملا کر آنکھ کہتا ہے کہ اس پردے میں پنہاں تھا
مصوّر کی دکاں پر کل گیا تھا کون یا اللہ کہ ہر تصویر سکتے میں تھی ہر آئینہ حیراں تھا

اُسی نے مار رکھا ہے اُسی پر مر مٹے ثاقب
بناوٹ کا بھی پہلو سادگی میں جسکی پنہاں تھا

جانِ شیریں کیوں نہ دیتا کوہکن سر پھوڑ کر پھوٹی قسمت سے نہ پائی داد پتھر پھوڑ کر
خوں رلایا ہے سبو نے آتشِ تر پھوڑ کر آگ ساقی نے بجھائی آج مجمر پھوڑ کر
ہر حبابِ بادہ دے سنگِ در رہی یا سر رہے نامرادی کچھ نہ لینے دے مقدر پھوڑ کر
کب سے میں سر پھوڑتا ہوں محتسب کچھ منہ سے پھوٹ کیا ملا ظالم خُم و مینا و ساغر پھوڑ کر
آہ یہ پھوٹی ہوئی قسمت نہیں ہے جرم نے رکھ دیا کاسہ گدائی کا مرے سر پھوڑ کر
خارِ غم کی چھیڑ سے آنکھوں میں اشک آ ہی گئے آبلہ دل کا رہا آخر یہ نشتر پھوڑ کر
آزمایا طالعِ ناساز کو اُس بزم میں اس جلے دل کے پھپھولے ہم نے اکثر پھوڑ کر
کانپتا ہے آسماں کیا میری آہِ سرد سے کیوں بچھا رکھے ہیں انگارے برابر پھوڑ کر
دوست ہو جاتے ہیں دشمن پھوٹتا ہے جب نصیب تیشہ فرہاد ہی آخر رہا سر پھوڑ کر
کیسی مرگ و زیست مٹی کا کھلونا ہے بشر کھیلتا ہے کھیل کوئی خود بنا کر پھوڑ کر

ظرف اعلیٰ ہی تو ادنیٰ سے بھی ثاقب مل کے چل
کنکری رکھ دیتی ہے مٹکے کو اکثر پھوڑ کر

رازِ ہستی

رنگِ بہار ہوں کہ گلِ نودمیدہ ہوں
فانی ہوں اور خزاں کے لئے آفریدہ ہوں

مٹ مٹ کے پارسا ہوں نشانِ ہست و بود کا
نقشِ قدم ہوں در پئے عمرِ دویدہ ہوں

سالک نہ پوچھ مجھ سے کہ راہِ فنا ملی؟
پائے شکستہ تا بدرِ دل رسیدہ ہوں

ادراک سے میں دور ہوں احساس سے میں دور
رنگِ پریدہ ہوں سخنِ ناشنیدہ ہوں

میں کیا ہوں کیا بتاؤں بیاضِ وجود میں
اک حرفِ دل نشیں ہوں مگر آبدیدہ ہوں

ہوں رازِ کن کہ سازِ تماشائے اولیں
جو کچھ بھی ہوں نیازِ بتِ آفریدہ ہوں

چشمِ تمیز نے مری ہستی بگاڑ دی
یعنی کہ اب میں صورتِ اشکِ چکیدہ ہوں

کیا مجھ کو شوقِ سیرِ گلستاں نہیں؟ نہیں!
اے رازداں میں جامۂ ہستی دریدہ ہوں

فکرِ معاد دور ہو محمود مجھ سے کیوں
ذوقِ قیودِ مذہب و ملت چشیدہ ہوں

مرغوب نہ ہوں نہ میں مقبولِ پارسا
ساقی نہ چھوڑ مجھے کہ مے نوشیدہ ہوں

محمود

خوشی کا اظہار*

کس خوشی کا بزم میں ہونے کو ہے اظہار آج
رقص میں ہے خامۂ مخبر برسو سو بار آج

نوکِ خامہ شوق سے منقارِ بلبل بن گئی
ہے صریرِ خامہ گرم لذتِ گفتار آج

* یہ اشعار مولوی دل محمد صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج نے ۳۰ جون کی شب کو جلسہ احباب میں پڑھے۔ جو شیخ عبد العزیز صاحب بی۔ اے ایڈیٹر ابزرور کے ہاں بتقریب دعوت ایڈیٹر مخزن منعقد ہوا تھا ۱۲

کس کے رُوئے پُرعرق پر دیکھئے کر دے نثار — ہے پروتی موتیوں کو کلک گوہر بار آج
دائرے حرفوں کے خم ہیں اور نقطے جام ہے — بن گیا ہر بیت اپنا خانۂ خمّار آج
لذتِ دیدار سے مجلس ہے سب سرشار آج — عکسِ مے سے کم نہیں ہے عکسِ رُوئے یار آج
نرگسِ مخمور کا ساغر بنانا چاہئے — تاکہ محفل ہو وے مستِ شربتِ دیدار آج
اشتیاقِ دید کا اظہار ہے ایدل ضرور — بن گئی ہے اپنی محفل مصر کا بازار آج
واہیں آنکھیں مثلِ نرگس گوش شنوا مثلِ گل — محفلِ محمود ہے عالم گلزار آج
دیدۂ احباب روشن ہیں ستاروں کی طرح — ہو گئی ہے چشمِ اعدا کی مگر بیمار آج
شاہدِ گل ہو گیا ہے رونق افزائے چمن — دل میں اعدا کے کھٹکتا ہے ولیکن خلد آج
گرم ہے محفل مے عشرت کے شوق و ذوق سے — شمع بھی روشن ہے مثلِ طالعِ بیدار آج
دن بھلے معلوم ہوتے ہیں تو پھر کیا ہے عجب — بن کے ساقی آئے گر۔ یاں گنبدِ دوّار آج
کیا عجب فرحت کے باعث گرم رقصِ ناز ہو — لولیِ گردوں کی صورت۔ چرخِ کج رفتار آج
گو نہاں آنکھوں سے وہ مہ تین سالوں تک رہا — مل گیا آنکھوں کو حظِّ دیدِ آخر کار آج
جو فدا اوروں پہ ہو کیونکر نہ قدر اسکی کریں — چاہئے بلبل کو پہناویں گلوں کا ہار آج
تاجِ گل بلبل کے سر پر چاہئے رکھنا ضرور — دستِ مژگاں سے چمن کے چُن رہی ہے خار آج
دیکھئے کل صبح کیا آئیں نظر پیش آنیاں — دو گھڑی مل بیٹھنا بھی ہے غنیمت یار آج
تو کہاں اے دل کہاں یہ شوخیِ تابِ سخن — شوق تیرا بن گیا از خود لبِ اظہار آج

(دل محمد)

فریادِ بیوہ

جہاں سے او! میرے پروردگار واویلا — میرا سہاگ گیا۔ سوگوار واویلا
یہ دن مرادوں کے۔ یہ نامرادیوں کا ہجوم — یہ جوشِ گریہ بے اختیار واویلا

شباب کا یہ زمانہ۔ یہ چاندنی راتیں — یہ سونی سیج - یہ خالی کنار واویلا

یہ کالی کالی گھٹائیں - یہ بکھرے بال دریغ — یہ آنسوؤں کی جھڑی - یہ پھوار واویلا

یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یہ سرد سرد آہیں — یہ دل کے داغ - یہ جوشِ بہار واویلا

یہ گورا گورا مصفا بدن یہ رنڈسالہ — لہو میں ڈوبا ہوا تار تار واویلا

نمودِ حسنِ جوانی - شباب کا آغاز — ہجومِ یاس و دلِ بے قرار واویلا

یہ سن یہ سال - یہ اٹھتی ہوئی جوانی حیف — یہ حسن اور یہ غمِ انتظار واویلا

اکیلی چھوڑ کے پردیس چلدیئے بیتم — نہ ایک دن بھی کیا مجھ کو پیار واویلا

یہ حال جب ہو تو پھر کون کس سے پیت کرے
کنواری رہتی ہیں - دنیا کی کون ریت کرے

مرا سہاگ اجڑ جائیگا خیال نہ تھا — خوشا! وہ دن کہ غمِ ہجر کا ملال نہ تھا

بیاہی جانے کی مجرم تھی میں غریب فقط — فلک! تجھے مرا اتنا بھی کیا خیال نہ تھا

یہ کیا ستم کیا او دشمنِ وفا تو نے — کہ درخورِ ستم و جور یہ جمال نہ تھا

ابھی تو قابلِ شادی بھی میں غریب نہ تھی — کہ چودھواں بھی لگا - مجھ کو آہ! سال نہ تھا

میں تشنہ لب ہی رہی اٹھ کے چلدیا ساقی — مرے نصیب میں جامِ مےِ وصال نہ تھا

مری جوانی پہ کہتے ہیں - رحم کھا کر لوگ — کہ اس رنڈاپے کی قابل یہ سن یہ سال نہ تھا

یہ نامراد کسی دن سہاگ کی مہندی — رلائیگی نہ مجھے خونِ جگر - خیال نہ تھا

خبر علالتِ شوہر کی آہ! جب پہونچی — وہ گھر میں کون تھا - جو غم سے خستہ حال نہ تھا

مرے نصیب میں دیدارِ آخری تھا فقط — جوابِ نزع میں لب پر نہ تھا سوال نہ تھا

دمِ اخیر وہ رو کر پکارنا میرا
دل و جگر کو وہ بالیں پہ وارنا میرا

[illegible]

شاعر کا دِل

شاعر کے دِل کو چاہیئے محزوں سدا رہے — کوئی نہ کوئی اُس پہ غضب ٹوٹتا رہے
یہ دِل نہیں ہی عیش و تنعم کے واسطے — بیجا نہیں گر اس پہ قیامت بپا رہے
اِک رمز ہے کہ ہوں بہم افلاس و شاعری — ممکن نہیں کہ گوشت سے ناخن جدا رہے
اس باغِ دہر میں جنہیں ہوتا ہے بار ور — اشجار شاخ و برگ سے وُہ بینوا رہے
آیا جب امن شعر نے بستر لیا اُٹھا — مُردہ وُہ دل ہے جس میں نہ کچھ ولولا رہے
دولت بڑھی تو شاعری روپوش ہو گئی — پاس اس اصُول کا شعرا کو ذرا رہے
تہذیبِ نَو جو آئی مٹا شاعری کا نام — اب والمیک و سعدیؒ و ہومر کجا رہے
شاعر نہیں وراثتِ قاروں کے واسطے — یہ تیرا ملک تجھ کو مُبارک شہا رہے
اس چشمِ سیر چشم میں کیا سلطنتِ کُل — یہ آشیاں وُہ نہیں جس میں ہُما رہے

اس دل کو چاہیئے کہ نہ دولت پرست ہو
یہ کعبۂ خلیل ہے اس میں خُدا رہے

شاعر کا دِل ہو چاہیئے آئینہ کی مثال — بیجا کدورتوں سے ہمیشہ صفا رہے
شاعر کے دل کو چاہیئے ہو منبعِ حیات — جاں بخش مثلِ چشمۂ آبِ بقا رہے
راہِ طلب میں چاہیئے طالب کو دم نہ لے — پیدل ہو یا سوار دوا دو سدا رہے
پیشِ نظر مظاہرِ قدرت کی ہو کتاب — جویائے علم و طالبِ صدق و صفا رہے
کرتا ہے رازِ حسنِ حقیقت کو بے حجاب — خو کردہ جراحتِ تیغِ ادا رہے
بیجا نہیں ہے ناز ترا حُسنِ بے نیاز — وُہ عشق ہی نہیں جو نہ صرفِ وفا رہے
مشقِ جفائے ناز کر اے حُسنِ پردہ دار

خوں عاشقوں کا تجھ کو الٰہی روا رہے

گم کردہ راہ غولِ بیاباں صفت نہ ہو — خضرِ خجستہ پے کی طرح رہ نما رہے
سائرن[لے] کے راگ ہوں تو فرشتوں کے گیت ہوں — افسوں کی راہ سے درِ اعجاز وا رہے
بادل کی طرح روئے کہ سارا چمن ہنسے — شل کباب نقلِ احبّا بنا رہے
ہے شاخ میوہ دار تو پتھر سے کیا ہی عار — درویش کو سزا ہی کہ خوئے رضا رہے
میں پالتا ہوں خونِ دل و آبِ دیدہ سے — یارب مرا نہالِ محبت ہرا رہے

اے صادق آگیا غمِ دنیا سے تو بجاں
عاقل کو ہے ضرور کہ پاگل ذرا رہے

تازہ غزلیں

شبِ وصل است حیا گر بگذاری چہ شود — مست و پرعربدہ تنگم بفشاری چہ شود
تو بدیں حسنِ تو نگر چہ زیاں برداری — ایں دو سہ بوسہ اگر خود نہ شماری چہ شود
از تو ناید، گرہِ بندِ قبا وا کردن — گر مرا بر سرِ ایں کار گماری چہ شود
بوسہ ہا، بر لبِ نوشینِ تو وام است مرا — وامِ من، ہم بہ من ار باز سپاری چہ شود
شبلیِ خستہ کہ شایستہ فتراکِ تو نیست — گر بہ حالش رسی، اے ترکِ شکاری، چہ شود

کھینچی جو ترے حسن کی تصویر خدا نے — لیں بڑھ کے بلائیں ترے مکھڑے کی ادا نے
باندھی یہ ہوا کھل کے تری زلفِ رسا نے — بدنام کیا دہر میں سنبل کو صبا نے
دلکش ہی عجب لذتِ آزارِ محبت — اس کشمکشِ غم کا مزا کیا کوئی جانے
تنگ آکے جو کوسیں تمہیں اتنا نہ ستاؤ — اچھے نہیں دل چاہنے والوں کے دکھانے

لے یورپ کے فسانوں میں دریائی پریوں کا ذکر آتا ہے جنہیں سائرن کہتے ہیں اور جنکی سریلی صدائیں مسافروں کے دلوں کو لبھا لیتی تھیں ۱۲

یوں سلسلۂ اشک ہی فرقت میں بتوں کی — زنّار کے ڈورے میں ہیں تسبیح کے دانے

دن چھپتے ہی آئی ہو اجل بن کے شبِ ہجر — تاکا ہے مرے گھر کو سرِ شام قضا نے

ہم کوہکن و قیس کے قصوں کو سنیں کیا — تازہ ہیں یہاں روز محبت کے فسانے

ظاہر کبھی تدبیر کا انجام نہ ہوگا — پردے میں لکھا ہے مری قسمت کو خدا نے

ہم عرض کریں اور وہ ہر بار کہیں کیا — کیا بات ہے یہ بھی کہ کوئی بات نہ مانے

رہ رہ گئی چھپ چھپ گئی آئی ہوئی دل میں — کیا کیا ہے مجھے محجوب کیا میری دعا نے

اللہ رے چتون یہ تری اُف ترا جوبن — ڈھایا ہے غضب اس پہ قیامت کی ادا نے

کہتے ہیں ہو مدفن مرا یا کوئے بتاں میں — یارب میری مٹی کہیں لگ جائے ٹھکانے

کشتہ ہوں کسی عارض و گیسو کی ادا کا — مرقد پہ مرے پھول چڑھائے ہیں صبا نے

میرا تو انہیں غم بھی ہے شادی سے زیادہ — آئے ہیں ہر اک بات پہ ہنس ہنس کے رلانے

دل تنگ سہی کیا مری آغوش نہیں ہے — کھنچے مرے پہلو میں نہ آنے کے بہانے

کچھ شرم تھی پہلے ہی سے آئیں یہاں تک — پابند کیا اور انہیں عذرِ حنا نے

سچ ہے کہ برا وقت بھی اچھا نہیں ہوتا — غیروں کا گلہ کیا ہے جو دشمن ہوں یگانے

اے دشتِ جنوں پھر مری وحشت کے دن آئے — پھر کھینچ لیا حسرتِ خارِ کفِ پا نے

خنجر ہی ملے میرے گلے سے۔ نہ ملیں وہ — دشمن کے نہ گھر جائیں مگر غیر منانے

ڈھونڈینگے کوئی اور نیا رہبرِ اُلفت — دیکھے ہوئے سب خضر کے رستے ہیں پرانے

ساتھ اُن کے وہی غیر ہے جلتا ہوں میں جس سے — آتا ہے لگی میں بھی کوئی آگ لگانے

کیا غم ہے اگر ہے غمِ ناقدری عالم — اس غم کے لئے ہمکو بنایا ہے خدا نے

یکساں نہ تسنیم اپنے رہینگے غمِ ایام — بگڑی ہوئی بن جائیگی چاہا جو خدا نے

کیوں میری آبرو نہ ہو صاحب ہنر ہوں میں — دنیا اگر صدف ہے تو اس میں گہر ہوں میں

کیا کام ماسوا سے حقیقت نگر ہوں میں — پڑتی ہے تم پہ آنکھ وہ عالی نظر ہوں میں

ظاہر میں دیکھئے تو اِک ادنیٰ بشر ہوں میں / تفسیر لفظِ کُن کی ہوں وُہ مختصر ہوں میں
سارا جہان خوش ہو اگر نوحہ گر ہوں میں / کس کی دُعائے خیر کا یارب اثر ہوں میں
اُن کو بھی اب رُلائینگی ہچکیاں مری / اُٹھ اُٹھ کے بیٹھتا ہوں وُہ دردِ جگر ہوں میں
اللہ رے بیخودی نگہِ مست یار کی / یہ بھی خبر نہیں ہے کہ کس کی نظر ہوں میں
اے ساکنانِ مُلکِ عدم ہم کہاں رہیں / دُنیا یہ کہہ رہی ہے مصیبت کا گھر ہوں میں
صد حیف وقتِ نزع وُہ مجھ پر نثار ہیں / پروانہ جب بنے کہ چراغِ سحر ہوں میں
اے بیخودی خدا کے لئے کچھ جواب دے / مجھ کو کوئی پکار رہا ہے کدھر ہوں میں
آئی نہ کچھ بھی کام مرے میری پختگی / نظروں سے جو شجر کی گرا وُہ ثمر ہوں میں
کیا فائدہ جو بیچ میں حائل ہو آئینہ / میں وُہ ہوں عکسِ رُخ کہ جدھر تم اُدھر ہوں میں
آہیں جو کیں تو ضعف سے غش مجھ کو آگیا / اچھی ہوا چلی کہ پسینے میں تر ہوں میں
ہوتا ہوں اپنی ظلمتِ ذاتی سے مستفید / ممنون آفتاب نہیں وُہ قمر ہوں میں
صورت بدل گئی ہے نقاہت سے اس قدر / رہ رہ کے دیکھتا ہوں یہ کس کی کمر ہوں میں
نالہ نکل کے منہ سے یہ کہتا ہے بار بار / پھر مجھ کو کیا ملیگا اگر کارگر ہوں میں
ترکیب مختلف سہی جملہ تو ایک ہے / تم جس کے مبتدا ہو اُسی کی خبر ہوں میں
میرے گناہ رحمتِ خالق کی ہیں دلیل / خیر البشر ہیں جسکی جگہ ہے وہ شر ہوں میں
کہتا ہے خالِ رُخ کہ سمجھنا نہ مجھے بلا / اِک شرح جس کی زلف ہے وُہ مختصر ہوں میں
اے گلشنِ جہاں کی ہوا رُک کے چل ذرا / بجھ جاؤنگا چراغِ سرِ رہگذر ہوں میں
قاتل کا نام یاد نہیں جاں نثار کو / قبضہ میں جس کے تیغ ہے اُسکی سپر ہوں میں
صد حیف وقتِ نزع وُہ ساتھی کدھر گئے / کہتا نہیں یہ کوئی ترا ہمسفر ہوں میں
رو کے ہیں دل پہ یار کی تیغِ نگہ کے وار / زخموں پہ زخم کھائے ہیں وُہ بے جگر ہوں میں
خورشید حشر میں ہے قیامت کی گرمیاں / ہے اتنی خیر اشکِ ندامت میں تر ہوں میں
آئی کبھی ہنسی تو بہتے اشکِ خوں بھی ساتھ / شاید کسی کا خندۂ زخمِ جگر ہوں میں

واصف زبانِ حال سے کہتی ہے یہ غزل
رنگین شعر کس طرح ہوں کہ خونِ جگر ہوں میں

اپنی ہستی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

شعرائے اردو کے پیر حضرت میر تقی میر علیہ الرحمۃ کے مندرجہ بالا شعر کو وہ قبول عالم نصیب ہوا ہے کہ اسوقت لاکھوں زبانوں پر مذکور اور سیکڑوں کتابوں میں مسطور پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کی زندہ منہ سے بولتی ہوئی شرح آپ دیکھنی چاہیں تو جناب مرزا محمد سعید صاحب دہلوی ایم اے۔ پروفیسر محمڈن کالج کے جدید ناول

خواب ہستی

میں ملاحظہ فرمائیں۔ جسے شائع کر کے مخزن نے اردو۔

ناول نویسی کی تاریخ میں ایک نیا روشن باب

کھولا ہے۔ اور ہندوستان کی مقبول و مشترکہ زبان کو فسانہ طرازی کے معاملہ میں السنہ مغربیہ کا ہم پلہ بنا دیا ہے کہنے کو تو ناول ہے مگر معناً ہندی طرز معاشرت کا سچا مرقع۔ ملکی رسم و رواج کا آئینہ اور طلبار کی تعلیمی خانگی اور خلوتی زندگی کا پانسکوپ ہے جس میں روزمرہ کے واقعات و کوائف کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں پختہ کاروں میں "یاد ایام" کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ تو نوجوانوں کے معاملات کا ہو بہو نقشہ اتارتا ہے۔ انگریزی تعلیم یافتوں کی زندگی کے اس پوشیدہ مگر ضروری پہلو پر روشنی ڈالتا ہے جس کے حل کرنے میں ابتک ملک کے سارے مدبرین قاصر رہے ہیں۔ اس کے

ہر صفحہ میں محسوسات و جذبات کا دریا بہہ رہا ہے

اور فقرہ فقرہ تمناؤں کے پکے پھوڑے کو چیرنے کے لئے نشتر بن کر نکلا ہے۔ ملک کی نئی نسل کے حق میں یہ ایک رفیق صادق ہے۔ جو اس کی ایام جوانی کی اُمنگوں اور

عالم اسباب کے دلولوں سے پوری ہمدردی

کرتا ہے۔ اور صفحہ کاغذ پر اُن کو ایسے خیالات کا عکس ڈالتا ہے جنہیں وہ خلوت وجلوت میں کہیں زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مگر جنکی خلش انہیں ہر لحظہ بےچین رکھتی ہے۔ ڈراما کے فن لطیف پر اسمیں ایک نئے لطیف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ اور تھیٹر کے بہت سے نازک رازوں پر دہ عیاں ہوئے ہیں الغرض دیسی سوسائٹی کا کوئی طبقہ اور زمانہ حال کی کوئی تحریک ایسی نہیں جو اس کے احاطہ تحریر سے باہر رہگئی ہو۔ اور بزرگان صوفی مشرب نوجوانان پاکباز رندان عیش پرست میں کوئی ایسا نہیں جس کی دلچسپی کا سامان اسمیں مہیا نہ کیا گیا ہو۔ اس کی

ہر بات انوکھی اور ہر ادا نرالی

ہے حتیٰ کہ لکھائی چھپائی۔ ترتیب وغیرہ میں بھی بڑی محنت بلاگت سے وہ بات پیدا کی گئی ہے۔ جو اب تک کسی ناول کو نصیب نہیں ہوئی جس کا سنہری سرورق بجائے خود ایک تختہ گلشن ہے۔ اور دیباچہ اپنی رنگینی سے کی جنت نما ان سب پر طرہ

تین ہاف ٹون عکسی تصاویر

ہیں جنہوں نے اس کے صفحات میں اہل بینش کے لئے ایک جنت نگاہ مہیا کی ہے اور دلاویزی نظر فریبی کی شان بہت کچھ بڑھا دی ہے۔ ہر تصویر گویا منہ سے بول کر صاحبان نظر سے داد طلب ہے باایں ہمہ اوصاف قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے تاکہ اردو کے تمام قدردان اس بے بہا قدر کوشش سے واقف ہونے کا موقعہ پائیں۔ دفتر مخزن لاہور سے طلب فرمائیے۔

سر سید مرحوم کے آخری مضامین	یہ وہ عالی قدر اور مقدس مضامین ہیں۔ جو مرحوم سر سید نے از ابتدائے یکم شوال سنہ ۱۳۱۴ھ لغایت ماہ ذیقعد سنہ ۱۳۱۵ھ ہجری تک نہایت دلسوزی کے ساتھ لکھے اور آخر کار مضمون لکھتے لکھتے ہی مالک حقیقی کے پاس جا پہنچے۔ قیمت [illegible]
تہذیب الاخلاق جلد اول	یعنی عالی جناب نواب محسن الدولہ محسن الملک سید مہدی علی صاحب کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سالہ از ابتدائے سنہ [illegible]ھ لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری یہ وہی مضامین ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اپنی صداقت سے ایک غیر معمولی ترقی کا جوش پھیلایا یہ کتاب بہت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھپی ہے۔ اور اس میں ۴۸ نہایت دلچسپ مضامین ہیں۔ اگر کوئی شخص اسلام سے واقفیت حاصل کرنی چاہے۔ یا اردو انشا پردازی۔ اور معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا چاہے۔ تو اس سے بہتر اور کوئی کتاب اس کو نہ ملے گی۔ قیمت [illegible]
تہذیب الاخلاق جلد دوم قیمت [illegible]	عالی جناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر بالقابہ کے گذشتہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین جنکی قوم کو از حد ضرورت تھی۔ از ابتدائے سنہ ۱۲۸۷ھ لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری چھپ کر تیار ہو گئی ہیں۔ اس میں سر سید کے وہ مضامین درج کئے ہیں جن سے ایک قسم کی روشنی پیدا ہوئی ہے۔ تعداد میں یہ مضامین ایک سو ہیں۔ اخلاقی اور تمدنی مضامین کے علاوہ بہت سے مذہبی اسلامی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے ایک عمدہ کورس ہے۔ مضامین انکا [illegible] اردو لٹریچر کی جان ایک ضخیم کتاب ۴۳۲ صفحہ پر نہایت خوشخط اور عمدہ چھپی ہے

تہذیب الاخلاق جلد دوم	یعنی عالی جناب نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب بہادر مرحوم کے جملہ مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ھ لغایت ۱۲۹۳ھ مضامین کیا ہیں ایک گوہر بے بہا ہیں۔ نواب صاحب مرحوم کی لیاقت اور تحریر مسلم ہے۔ قیمت عہ ۱۸ر+
تہذیب الاخلاق جلد سوم	اس مجموعہ میں جناب مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ جناب مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی۔ جناب سید محمود صاحب۔ جناب شمس العلما مولنٰا مولوی ذکا اللہ صاحب۔ جناب فارقلیط اللہ صاحب کے تمام مضامین ہیں۔ قیمت ۴۱ر
حیات جاوید یعنی سرسید کی لالف	یعنی سوانح عمری سرسید مرحوم باتصویر مصنف حالی۔ یہ کتاب دو جلدوں میں نوسو صفحات سے زیادہ پر ختم ہوئی ہے۔ پہلی جلد میں ولادت سے وفات تک کے واقعات درج ہوئے ہیں اور دوسری جلد میں سرسید کی لالف۔ قیمت صہ ۴ر+
مسدس حالی	مسلمانوں کی گذشتہ اور موجودہ حالت کا نقشہ اگر دیکھنا منظور ہو تو اسے دیکھو! موجودہ حالت کی پردرد کہانی سے شوق ہو تو اسے پڑھو! آبائی کارناموں کی فہرست

ضمیمہ مسدس	درکار ہو تو اُسے خریدو! ایک سچّے عاشق قوم کے جلے ہوئے دل کی آہ کا نمونہ دیکھنا ہو تو اس مسدس کو پڑھ چکا ہے اس لئے اس کی نسبت کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں قیمت ۸/ ۱ر +
مناجات بیوہ	ہندوستان کی مجبور بیواؤں کی آہ وزاری بیوہ کے دل کی سچّی باتیں یہ نظم پڑھ کر بہت رقت طاری ہو جاتی ہے قیمت ا/
مجموعہ حالی	ایک مجموعہ خواجہ حالی صاحب کی چار تصنیفات کا ہے نشاط امید تعصب و انصاف کلمۃ الحق ترکیب بند تعلیم مسلمانان۔ نظم اردو قیمت ۴/ ۱ر +
تصویر آزاد	اُردو زبان کے مربی شمس العلماء مولینا آزاد کی تصویر کیا آپ اس قابل نہیں سمجھتے۔ کہ آپ کے کتب خانہ کے لئے زینت نہ ہو مولینا آزاد کی گھر بیٹھے زیارت کیا آپ کو ۶۰ر آنہ میں گران رہیگی۔ اور پھر بھی تصویر ہی نہیں بلکہ اُن کے خطوط کا مجموعہ بھی ایک نہایت دلاویز اور خوشنما سرورق میں محفوظ ہو کر اسی قیمت میں آپ کو ملتا ہے۔ تصویریں اب تیار ہو کر آگئی ہیں۔ آپ جلد طلب فرمائیں کم از کم مخزن کے ہر خریدار کے پاس اس علمی تبرک کا ہونا ضروری ہے قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک +

کلام نیرنگ	سید غلام بھیک بی اے نیرنگ کا تمام کلام جو مخزن میں چھپتا رہا ہے اس کو جمع کرکے نہایت خوشنما ایڈیشن چھاپ دیا ہے۔ اس مجموعے میں مفصلہ ذیل نظموں کے علاوہ اور بہت سی غزلیات ہیں۔ مرجھایا ہوا پھول۔ خواب یتیم راحت یاس ایک آنسو سے دو دو باتیں۔ خواب تاج حسن وعشق کسی کا دھیان، بادل۔ انسان کی فریاد۔ نیرنگ شفق راگ خار محبت۔ کوہستان کا نظارہ۔ سودائے خام تلاش محبت بھنور اجیان شیر جیں وغیرہ وغیرہ نہایت دلچسپ معنی خیز نظمیں ہیں قیمت ۱؎ ۲؍ کد +
سگھڑ بہنیں	مصنفہ محمدی بیگم صاحبہ کنواری بچیوں کی سہیلی رفیق عروس اور سگھڑ بیٹی دو بہنوں کی جوڑی ہے۔ وہ بیاہی ہوئی لڑکی کے لئے ہے۔ تو یہ کنواری لڑکیوں کے لیے ہے۔ کنواری لڑکیوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے قیمت عہ
نظم آزاد	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کی بے مثل مثنویوں اور بعض مشہور نظموں کا مجموعہ جن سے جدید شاعری کا آغاز ہوا اس مجموعے میں بہت سی نظمیں ہیں اور سب دیکھنے کے قابل ہیں۔ مولانا آزاد اور پھر ان کا کلام زیادہ تعریف کا محتاج نہیں۔ منگوا کر دیکھئے قیمت ۱۰؍ +

مکاشفاتِ آزاد	پروفیسر محمد حسین آزاد کے عالمانہ خیالات کی افسوسناک الجھن سمجھیے یا عجائبات جنوں + مولانا کے عالم جنون کی تصنیف بھی دلچسپی سے خالی نہیں عجیب رنگ میں یہ کتاب لکھی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ مولانا آزاد کا کلام ہے۔ قیمت صرف ۴ ر +
عسرزا	رائڈر ہیگرڈ انگلستان کے مشہور ناولسٹ کے ناول "شی" کا ترجمہ نہایت سلیس اردو میں کیا گیا ہے۔ اس ناول کے مطالعہ سے آپ کے معلومات بہت وسیع ہو جائیں گے اور مصر کے عجیب و غریب حالات جو اس سے پہلے آپ کے ملاحظہ سے نہیں گذرے۔ اس میں آپ کو ملیں گے۔ اور پھر ایسا دلچسپ ہے۔ کہ بغیر ختم کئے آپ اسے نہیں چھوڑ سکتے حجم ۲۶۲ صفحہ قیمت عہ ر +
طبیب نسواں	یہ کتاب ایک بڑے مستند ڈاکٹر کی تصنیف سے اخذ کر کے مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب کے لکھنے سے غرض یہ ہے کہ ہماری بے احتیاطیوں اور ناتجربہ کاریوں سے جو ہزاروں پھول سے بچے مرجھا کر رہ جاتے ہیں۔ یا شیر خوار بچوں کی مائیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ان بچوں کی ماؤں کو ایسے نقصان نہ پہنچیں عورتوں کے تمام امراض کا ذکر اس کتاب میں ہے اور مستورات

	خود اپنا علاج کر سکتی ہیں - عبارت ایسی آسان ہے کہ عورت پڑھ سکتی ہے - ہر مرد اور ہر عورت کے لئے مطالعہ ضروری ہے - قیمت ۱۰ ار+
انشاء دہلی	مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ اس کتاب میں دہلی کی مستورات کی خط وکتابت کے اعلےٰ درجے نمونے درج ہیں - بظاہر یہ خطوط ہیں - مگر اس میں خانہ داری کے کل معاملات رسم ورواج لوریاں گیت غرض زنانہ زندگی کے تمام پہلو دلچسپی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں - قیمت ۹ ر+
انتخاب مخزن	یعنی مخزن کی گذشتہ نو جلدوں میں سے تمام چوٹی کے مضامین نظموں کے انتخاب کا مجموعہ جن شائقین کو مخزن کے پہلے نمبر دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اُن کے لئے یہ کتاب بہت ضروری ہے - مختصراً یہ نادر کتاب بعض یگانہ روزگار مشہور اہل قلم اور شعرا اور اعلےٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مغربی مشرقی خیالات کا لب لباب ہے - اس مجموعے کیساتھ انجمن اردو کے ارا کین عالیجناب ڈاکٹر نذیر احمد شمس العلماء مولینا شبلی مولینا حالی نواب محسن الملک نواب وقار الملک اور مسٹر ارنلڈ کی ولائتی چھپی ہوئی تصویریں ہیں - ان امول کتاب کی قیمت صرف عہ ۸ر ہے - لیکن مخزن کے خیداروں سے صرف ۸ر علاوہ محصول ڈاک

ابھی تک لوگ کہتے ہیں

کہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کسی ایک دوائی سے کل امراض کا علاج ہو سکے۔ درانحالیکہ اسوقت دنیا کے بڑے بڑے محقق اس مسئلہ کے حل کرنے میں مصروف ہو رہے ہیں +

کہ مرض دراصل ایک ہی اور اس کا علاج بھی ایک ہی ہوسکتا ہے

امرت کی دہارا درحقیقت کل امراض کا حکمی علاج ہے۔ ہزاروں ادویات کے بوجھ ارکیس اس ایک شیشی کے سامنے ہیچ ہیں۔ کوئی مرض نہیں جس کا یہ علاج نہیں۔ ہر شخص بلامدد معالج گھر میں بآسانی صرف اس ایک شیشی سے کنبہ کا علاج کر سکتا ہے۔ اپنے دل میں :-

یکطرفہ ڈگری نہ کیجئے

کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف سننا بھی آپ کا فرض ہے لیں ! ایک پیسہ کا کارڈ لکھ کر رسالہ "آب حیات" مفت منگوا کر ملاحظہ فرماویں۔ جو کہ اسی غرض کیواسطے ہزاروں کی تعداد میں چھپوایا ہے۔ نوٹ: خط و کتابت کے واسطے اتنا پتہ کافی ہے امرت کی دہارا لاہور

ٹھاکر دت شرما وید مالک دیس اپکارک اوشدھالیہ و مالک و ایڈیٹر اخبار دیش اپکارک و مصنف رسالہ حیات القی لاہور

اگر آپ نے کبھی اخبار

دیش اپکارک

ابھی تک نہیں دیکھا ہے تو رسالہ آب حیات کے ساتھ نمونہ اخبار دیش اپکارک بھی طلب کریں !

[illegible]

فرمائش ذیل کے پتے سے آنا چاہیے - ایس اے - بی - بخشی - اینڈ کو - کوٹھی نمبر ۱۲ - ہالیڈے اسٹریٹ - کلکتہ

رسکوپ فیشن کی نہایت مضبوط اکسٹرا الیور واچ

چلو دوستو مال لٹادیا ہے
اگر جلدی نہ منگاؤ گے تو

اس گھڑی کے پرزے نہایت مضبوط ہیں اور ڈائیل بھی چینی کا ہے اور نہایت خوبصورت بنوایا گیا ہے - نگین گول دائرہ میں نمبر بنے ہیں جو عجب لطف دیتے ہیں سوئیاں پیتل کی ہیں اور لطف یہ ہے کہ نمونہ دو سو گھڑیوں کی ایک لاٹ پہلے مرتبہ نصف قیمت سے بھی کم میں آخر جولائی ۱۹۰۶ء تک فروخت کیجاوے گی جلدی فرمائش بھیجکر گھڑی منگا کر فائدہ اٹھاؤ ورنہ تاریخ مقررہ کے بعد پوری قیمت لیجاوے گی اصلی قیمت آٹھ روپے - رعایتی قیمت تین روپے دس آنے - محصول وغیرہ ۴

قابل دید بالل واچ

اصلی قیمت چودہ روپے
رعایتی قیمت چھ روپے

یہ گھڑی گول شکل گیند کے ہے اور میز طاق وغیرہ کی تو گویا جان ہے سامنے سے ٹائم دیکھیے اور پشت سے اسکے تمام پرزے دکھائی دیتے ہیں - چابی اوپر سے دیجاتی ہے اور ٹائم ملانے کیلیے پن بھی اوپر لگا ہوا ہے - اصلی قیمت اسکی چودہ روپیہ ہے مگر مال کی نکاسی منظور ہے اسلیے اسکی قیمت بہت ہی کم یعنی چھ روپے کردی ہے لہذا جلدی فرمائش بھیجکر منگا لیجیے کیونکہ صرف ۳ درجن اس قسم کی گھڑیاں اب باقی ہیں [illegible]

آنکھوں کو ٹھنڈا رکھنے والا نہایت عمدہ جالیدار عینک

قیمت فی عدد تین روپے چار آنے

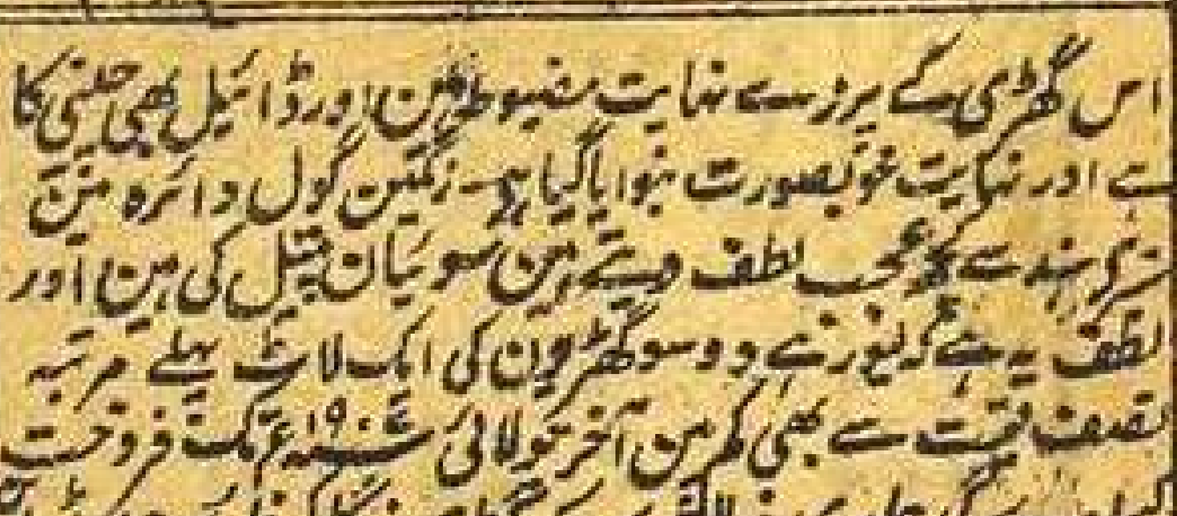

یہ معمولی چشمہ نہیں ہے جو عام طور سے بازار میں فروخت ہوتی ہیں اور جنکے لگانے سے آنکھوں کی بینائی میں فرق آجاتا ہے بلکہ اسکے تال خاص قسم کے ٹھنڈے پتھر کے بنائے جاتے ہیں جنکے استعمال سے آنکھوں کی روشنی میں فرق نہیں آتا اور آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں تال کے چاروں طرف جرمن سلور کی باریک جالی لگی ہوئی ہے جس میں آنکھیں گرد و غبار سے محفوظ رہتی ہیں یہ چشمہ اکثر [illegible] کے استعمال میں آتے ہیں [illegible] اور انگریزی دوکاندار بہت زیادہ قیمت سے فروخت کرتے ہیں [illegible] اپنے آڈر سے منگائی ہیں تو بہ نسبت قیمت بہت کم رکھی ہے تاکہ ہر شخص خرید سکے - قیمت فی عدد تین روپے - محصول وغیرہ علاوہ ہے -

اصلی جواہرات کی چمک دمک کو مات کردینے والی انگشتریاں

انگشتری ایک نگی
نمبر (۱)

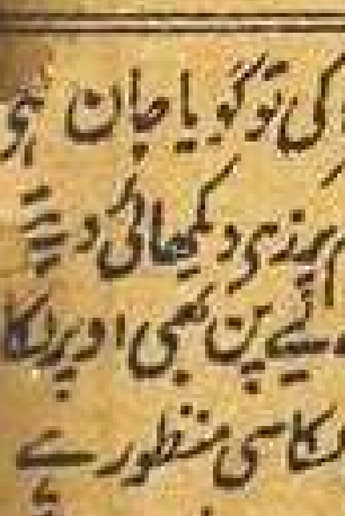

قیمت ۱۲

انگشتری سات نگی نمبر ۱۲

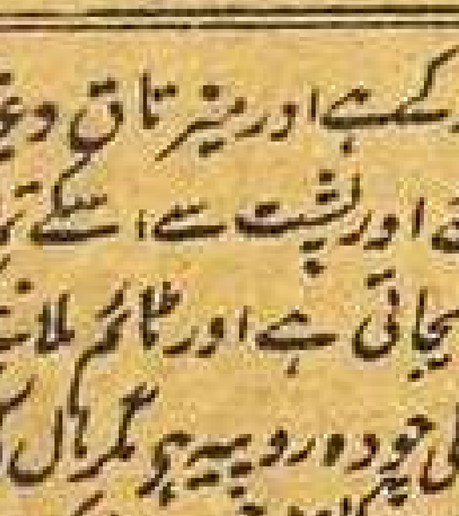

قیمت بارہ آنے

موتیوں والی انگشتری
نمبر ۱۱ قیمت [illegible] آنے

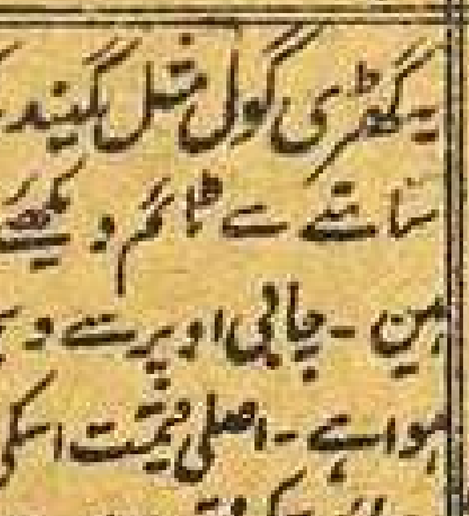

یہ انگشتریاں رولڈ گولڈ کی ہیں اور انکی رنگت بھی مثل سونے کے رہتی ہے اور جو نگ لگے ہوئے ہیں انکی آب و تاب اصلی جواہرات کو شرما دیتی ہے جبتک آپ خود نہ بتلادیں کوئی انکو مصنوعی نہیں بتلا سکتا قیمت ہر نمبر کی انگوٹھی کے ساتھ لکھی ہے جو انگوٹھی پسند ہو نمبر اوسکا لکھیے روانہ کی جاویگی - قیمت اور نمبر ضرور لکھیے گا -

مفرح القلوب یعنی سین سین

حالمین یہ ایک قسم کی نعمتیں ولایت سے تیار ہو کر آتی ہیں [illegible] پان کے ہمراہ کھائے چاہے صرف [illegible] خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے اسکے استعمال سے میٹھی ہوئی آواز بھی [illegible] اور گلا خوش الحان ہو جاتا ہے قیمت فی پاکٹ [illegible] گولیاں ہونگی - قیمت [illegible] آنے -

میں پارس ہوں

میرے نام سے تو سارا جہان آشنا تھا۔ لیکن میری صورت شکل آج تک کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ کیا میں زمین پر تھا یا آسمان پر تھا پہاڑوں میں یا سمندروں میں۔ خیر کہیں تھا۔ لیکن میرا ملنا محال بلکہ سراسر وہم وخیال تھا۔ میری خاصیت سے بھی دنیا واقف ہو ہو یونہی لوہے سے مس کیا۔ وہ زر وکندن بنگیا۔ میری نسبت یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے۔ ؎

پارس کہ باآہن آشنا شد فی الحال بصورت سنا شد

لیکن میں ہاتھ میں بھی آیا تو انہیں لوگوں کے آیا۔ جو میرے جوہر سے واقف۔ میرے کمال سے آشنا۔ اور میری خوبی کے دلی قدردان تھے۔ ملک میں عزت سے میری ضرورت تھی لیکن میں ہو گیا یا عنقا۔ یا کبریت احمر تھا۔ کسی نے میرا پتہ نہ پایا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا پتہ بھی اسوقت ملا جب ساری دنیا کو میری ضرورت تھی۔ میں نے جب دیکھا کہ امراض جسمانی نے لوگوں کو ادھموا بلکہ خاک کر دیا ہے۔ مایوس مریضوں کی ٹھکے کی چوٹ دنیا میں دوہائی پھر چکی۔ اشتہاری حکیموں کی لوٹ مار نے جہان کو تباہ کر دیا۔ تو مجھے مجبوراً فرشتہ رحمت نے ایسے مقام میں پہنچا دیا۔ جہاں میری خاص ضرورت تھی۔ اور فیض عام کا دروازہ کھل رہا تھا۔

میں کہاں آیا؟

میں فاروقی شفاخانہ فیض عام شہر سیالکوٹ میں آیا۔ جس کا نام جس کا کام جس کے کارہائے نمایاں ایک عالم میں مشہور ہیں۔ لو کہیں ہی سے آیا کہ وہاں پوری ایمانداری اور جانفشانی سے کام لیا جاتا ہے۔ بددیانتی اور دھوکہ بازی کا وہاں نام و نشان تک نہیں۔ میرا نام پارس ہے۔ لیکن میں ہر قسم کی دوائیوں میں شامل ہو کر ایک نیا جادو اور نیا طلسم دکھاتا ہوں۔ ہر ایک دوائی ایک جادو کا گٹکا یا سحر کا ٹونکا بنجاتی ہے۔

میرا کام کیا ہے؟

میری ایک چٹکی دوائی میں ملا دو۔ کسی قسم کی کمزوری کی شکایت ہو۔ فوراً دور اور خدا کے فضل سے کافور ہو جاتی ہے چند روز کے استعمال سے انسان بوڑھے سے جوان اور جوان ہو شہ زور پہلوان ہو جاتا ہے۔ میرا ایک جز سے تمام مفسدات خون کی آتش فوراً افسردہ ہو۔ اور پھر کبھی شکایت کا موقع نہیں ملیگا۔ مثانہ کے تمام امراض کے لئے ایک ہی دوائی بس قسم کی سوزش وغیرہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہے۔ جینبل کی دوائی میں شامل ہو کر جریان کا نام و نشان نہیں چھوڑتی۔ روغن میں شامل ہو کر مردہ اعصابوں کو نئے سرے زندگی بخشنے والی ہے۔ دق وسل میں میرا ایک جز شامل ہو تو ان لاعلاج مرض کا علاج سہل و آسان کر دیتی ہے۔ میرا ایک جز شامل ہو کر ضعف جگر۔ بواسیر۔ ذیابیطس۔ اسہال معدہ و کمی خون کی بے نظیر دوائی ہے۔ کیا میرا وجود دنیا میں ایک کرشمہ یا جادو نہیں۔ تعجب ہے کہ میرے ہوتے دنیا کسی اور دوائی کا نام لے۔ نیم حکیم اور اشتہاری طبیبوں کا میری آمد پر بازار سرد ہو گیا ہے۔ مجھ میں کسی دھوکے یا غلط بیانی کا لگاؤ تک نہیں ہے۔ علی الخصوص کمزوری کی دوائی تو ایسی بے نظیر ہے کہ اس کے مقابل تمام اشتہاری حکمت اور ٹھگوں ہے۔ جو لوگ کبھی اپنے تئیں کبھی پنج ہزاری کے تئیں کمزور قرار دیکر کہیں ہانکا کرتے تھے اب ان کی دال گلنی محال ہے۔ آپ ایک دفعہ پارس کی دواؤں کا امتحان کیجئے یقیناً پھر کبھی اشتہاری حکیموں کی طرف رخ نہ کریں گے۔

قیمت حسب تفصیل ہے۔ دوائی جریان سے۔ دوائی کمزوری فی بکس للعہ۔ دوائی جینبل عہ۔ روغن ع۔ دق وسل عہ۔ دوائی بواسیر عہ۔ ضعف جگر عہ۔ ذیابیطس عہ۔ دوائی کمی خون عہ۔ (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ حکیم محکم الدین مینیجر فاروقی شفاخانہ شہر سیالکوٹ

سر سیّد مرحوم

نے

ہی ہندوستان میں زیادہ تر ترکی ٹوپی کو رواج دیا تھا۔ یہ کہنا چاہیئے۔ کہ سر سیّد ہی اس کا موجد تھا۔ اور ان ٹوپیوں میں بھی اس قسم کی ٹوپیاں سر سید کے زمانہ میں تھوڑی سی آتی تھیں جو ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ اس کے بعد نہ ویسی ٹوپیاں آئیں۔ اور نہ کسی نے شوق سے انہیں اوڑھا ویسے ضرورت پوری کرنے کے لئے

بازار میں جیسی بھی میسر آئیں لوگ اوڑھتے رہے۔ اب ہمارے پاس خاص طور پر اصل فیشن کے مطابق سر سیّد پیٹنٹ کرسٹی کی ساخت لنڈن سے آئی ہیں انمیں یہ خوبی ہے کہ دیرپا ہونے کے علاوہ فیشن کے مطابق اور زیادہ خوبصورت قیمت

علاوہ محصول ڈاک (للعہ)

نوٹ:۔ ان کے علاوہ اور سب قسم کی ٹوپیاں موجود ہیں۔

عبدالرزاق برادرز سنس ایجنٹ جنرل سپلائرز

انارکلی لاہور

قرآن مجید ہفت رنگ منظور شدہ شاہ کابل

بفضل خدا اس وقت پانچ پارے چھپ گئے ہیں۔ اور چھپ رہے ہیں۔ ہدیہ فی پارہ عہ مع محصول ڈاک۔ نمونہ کا ایک صفحہ آدھ آنہ کا ٹکٹ برائے محصول ڈاک بھیجکر طلب فرمائیے اور وہ نمونہ آپ کی نشست گاہ میں لگانے کا کام دیگا۔ خیر اگر نمونہ جناب کے پسند ہو تو فوراً خریداری کی درخواست تحریر فرمائیے کیونکہ عنقریب تعداد پوری ہونے والی ہے۔ پھر ہدیہ زیادہ پر بھی خدا ملنا مشکل ہے + **سیاحت امیری** حجم بڑے ۱۶۰ صفحے اور ۹ تصویریں سنہری جلد قابل دید نہایت خوبصورت یہ سفرنامہ تیار کیا گیا ہے قیمت مع محصول ڈاک کل ۱۱ر آنہ اس سفرنامہ میں کل حال افغانستان کا اور تصویریں لارڈ منٹو اور امیر عبدالرحمن و دربار راولپنڈی اور ہز مجسٹی حبیب اللہ خان و آپ کے برادر اور صاحبزادہ وغیرہ کی اور کل حال سفر روانگی کابل سے واپسی پہنچنے کابل تک کا جدا جدا تاریخ وقت دیکر لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ آج تک ایسا عمدہ اور کم قیمت کا سفرنامہ چھپا ہوگا۔ حکمت کی نادر کتاب بنام **گنجینہ طبیب** حجم ۲۰۸ صفحے ٹیٹل رنگدار کاغذ لکھائی عمدہ قیمت مع محصول ڈاک ۱۴ر آنہ اس کتاب میں ہر مرد عورت کا حال اور مرض کا بیان اور ہر عضو کی تصویریں اور ہر قسم کے شربت معجون کشتہ وغیرہ بنانے کے مجرب نسخے درج ہیں اور آخر میں مخزن الادویہ مع خواص الادویہ کے درج ہے جسمیں ہر دوا کا نام اردو۔ فارسی عربی سنسکرت۔ انگریزی میں لکھا گیا ہے۔ اور ایک ضمیمہ بوٹی سنیاسی کے فوائد کا درج ہے۔ یہ کتاب ایک سال میں تیسری دفعہ چھپی ہے۔ اور بڑی مفید ثابت ہوئی ہے۔ تھوڑی جلدیں باقی ہیں +

المشتہر

مالک مطبع قاسمی شہر لودیانہ

اصلی راسکوپ پیٹنٹ واچ

قیمت معہ چین ۳؍۸ تین روپے آٹھ آنہ

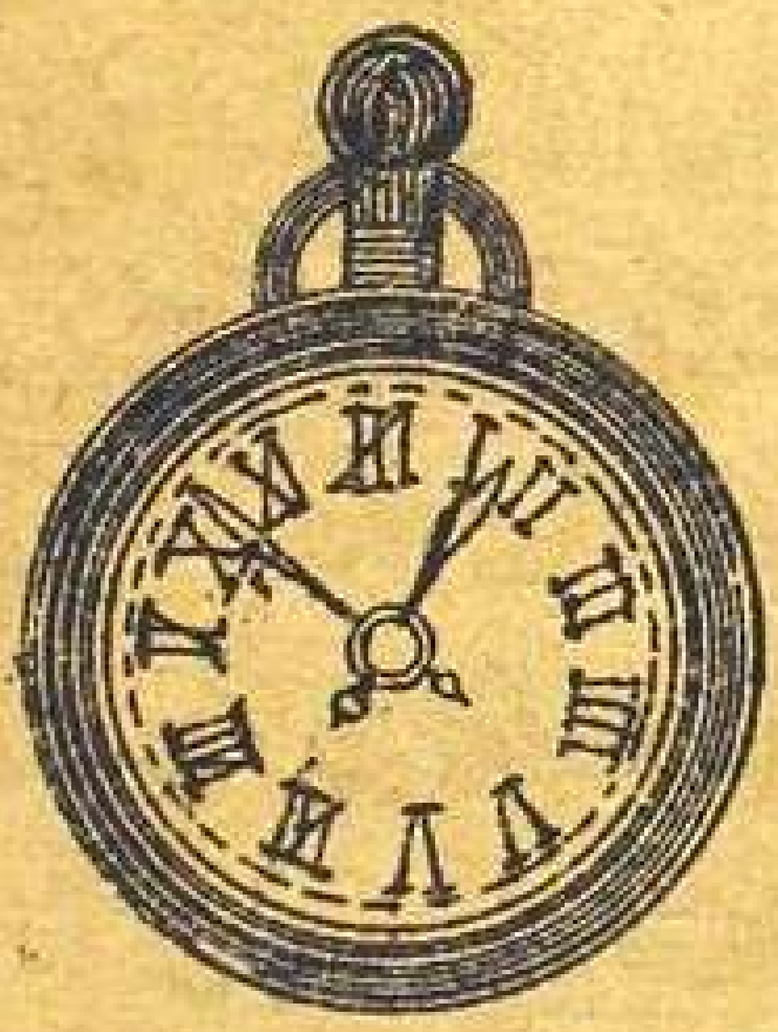

گارنٹی دس سال معہ مخملی بکس کوک ۳۶ گھنٹہ

۳؍۸ روپے ۳؍۸ روپے

۳؍۸ روپے ۳؍۸ روپے

غضب ہوگیا

کیونکہ مندرجہ بالا راسکوپ گھڑی جو اپنی پائیداری اور خوبیوں کے باعث مقبول عام ہو رہی ہے اس قدر سستی بکنے لگی یہ پہلا موقعہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گھڑیاں ولائیت کو آرڈر دیکر بہت بڑی تعداد میں منگائی ہیں اکثر خریدار بعض سوداگروں کی رنگین باتوں یا کم قیمت کی لالچ میں آکر گھڑیاں لیکر دہوکہ کھاتے ہیں چنانچہ ہم مزید اطمینان کیواسطے وعدہ کرتے ہیں کہ نا پسند ہونے پر بلا عذر واپس لے لینگے کاروباری آدمیوں نے اس گھڑی کو بہت پسند کیا ہے ایک درجن کے خریدار کو ایک گھڑی زائد ملے گی +

المشتہر

برج باسی لال کمپنی نمبر ۱۴۷ سیان گلی شہر جھانسی

برادران مُلک

کی خدمت میں گذارش ہی - کہ ایک مدت سے زمانہ جس خضاب کا خواہشمند تھا شکر صد شکر! کہ آج بارہ سال کی لگاتار کوششوں کے بعد ہم اس خضاب کے بہم پہنچانے میں کامیاب ہوئے یہ خضاب نیل ہی جو داڑہی اور سر کے سفید بالوں کو لگاتے ہی فقط چار منٹ میں سیاہ بھنورے کی طرح کالا - ملایم اور چمکدار بناتا ہی - پندرہ روز کے بعد لگانیکی ضرورت ہوتی ہے - ایک بکس پانچ ماہ تک کافی ہوتا ہے قیمت فی بکس صرف عہ روپیہ - محصول بذمہ خریدار

المشتہر

حضرت مولانا عاشق یزدانی حاجی پیر سید نور شاہ ہمدانی محلہ عطار گلی
پوسٹ ماندوی - بمبی -

نمبرنگ مشین

دفتروں دوکانداروں کتب فروشوں بلکہ ہر ایک کاروباری
آدمی کے لئے نہایت مفید مشین ایک لاکھ تک نمبر دیسکتی
ہے۔ نمبر خود بخود تبدیل ہو جاتے ہیں سیاہی خود لگتی
جاتی ہے۔ ایک بچہ تک استعمال کر سکتا ہے کتابوں میں
صفحہ لگانے کتابوں کی تعداد مقرر کرنے اور اس قسم
کے بہت سے کاموں کے لئے نہایت خوبصورت مضبوط
چھوٹی سی مشین ہے
قیمت کل للعہ ۴ روپیہ ہے اور آرڈر کے ساتھ
نصف قیمت پیشگی آنی ضروری ہے۔

شنکر داس اینڈ کمپنی نیلہ گنبد
لاہور

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل ایگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولائیت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے۔ کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ دھند جالا۔ پڑوال۔ غبار۔ پھولا۔ سبل سرخی۔ ابتدائی موتیا بند۔ ناخنہ۔ پانی جانا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور عینک کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے۔ قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ خاص و عام اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے۔ عا۔ ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ عہ۔ خالص ممیرہ فی ماشہ عصہ مصری سرمہ فی تولہ ۴ر خرچ ڈاک ذمہ خریدار۔ درخواست کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔ المشتہر پروفیسر مہیا سنگھ اہلو والیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

ان سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہوسکتی ہے

(۱) میں بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ ممیرے کا سرمہ جو سردار مہیا سنگھ اہلو والیہ نے ایجاد کیا ہے۔ بڑی کشش قیمت اور مفید دوا ہے بالخصوص مفصلہ ذیل امراض کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ آنکھوں سے پانی کا بہت جانا۔ دھند۔ سوزش۔ ہر قسم جسکو آنکھ آنا کہتے ہیں۔ جلن اور کمزوری نظر۔ ناخنہ۔ باہر اور اندر کی جھلی کا زخم اور ان سے پیٹ کا گرنا۔ چونکہ اس سرمہ میں کوئی مضر کیمیاوی شے نہیں ہے۔ اس لئے ہر کسی کے لئے اس کا استعمال مفید ہے۔ مفصلات میں جہاں لائق ڈاکٹروں کا ملنا مشکل ہو وہاں ایسی مفید دوا کو ضرور پاس رکھنا چاہئے۔ اس لئے میں بلا شک شبہ دیتا ہوں کہ مذکورہ بالا امراض کیلئے ممیرے کا سرمہ ضروری ہی مفید ہے۔ راقم ڈاکٹر ایم۔ بی سانگلی صاحب بہادر ایم ڈی ایم ایس سند یافتہ یونیورسٹی ایڈنبرگ انگلینڈ امرتسر۔

(۲) جناب سردار صاحب! تسلیم میں نے آپکا ممیرے کا سرمہ استعمال کیا میں تصدیق کرتا ہوں کہ بیشک یہ سرمہ کمزوری چشم کیلئے بہت مفید ہے۔ میری آنکھیں بالکل کمزور تھیں۔ لگاتار ایک پہر کام کرنے سے معذور ہو جاتا تھا۔ اب میری یہ کیفیت ہے۔ کہ صرف ہر روز کے استعمال سے تین تین پہر بلکہ تمام دن اچھی طرح کام کر سکتا ہوں۔ راقم میاں خورشید محمد خاں خلف نواب حسین محمد خاں صاحب بہادر رئیس اعظم ریاست بھوپال

پانچ ہزار روپیہ انعام — اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمہ کی سندات میں سے جو قریب بیس ہزار کے ہیں۔ ایک کو بھی فرضی ثابت کرے اسکو مبلغ پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا۔ جو لاہور کے بنک میں اسی مطلب کیلئے ۲ مارچ ۱۹۱۰ء سے جمع کیا گیا ہے۔

بہت عجیب چیک

اپنی دوا کے ساتھ ہم ایک چیک بھی کاٹ دیتے ہیں
جو فائدہ نہ ہونے کی حالت میں ایک روپیہ
بنک سے واپس دلا دیگا

یہ کارخانہ آج پورے پچاس برس سے ملک میں طبی خدمات کا ذمہ دار ہے
علاوہ ہزارہا قابل قدر سندات کے گورنمنٹ عالیہ نے
حکیم شیخ خیر الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ
کو بصلہ خدمات رفاہ عام ایک ...
... اپنی خوشنودی ظاہر
کی ہے۔ دواؤں کی خوبی اور ان کے اوصاف کرنے
کی بجائے ہم ہر دوا کے ساتھ آپکو ایک چیک

اعجوبہ بنک لمیٹڈ

کے نام دینگے۔ دوا باقاعدہ استعمال
کے بعد اگر آپ کو فائدہ نہ ہو تو آپ یقیناً
اس امر کے مجاز ہیں کہ وہی چک بمعہ
رسید مذکورہ بالا بنک میں بھیج
کر ہمارے کھلے ہوئے حساب
میں سے روپیہ واپس لے لیں
بس اس سے زیادہ آسان
اور کھرا طریقہ ناممکن ہے

شیخ خیر الدین۔ رحیم بخش دوا ساز ان مالک شفاخانہ یونانی و ڈاکٹری۔ لاہور